تاریخ اسلام اور سیر و سوانح سے نصیحت آموز واقعات کا مفید مجموعہ

صبر و تحمل کی روشن مثالیں

تالیف

جناب مولانا محمد صاحب

استاذ مدرسہ عربیہ رحیم آباد صادق آباد

تصحیح و تہذیب

جناب مولانا اعجاز احمد صمدانی صاحب
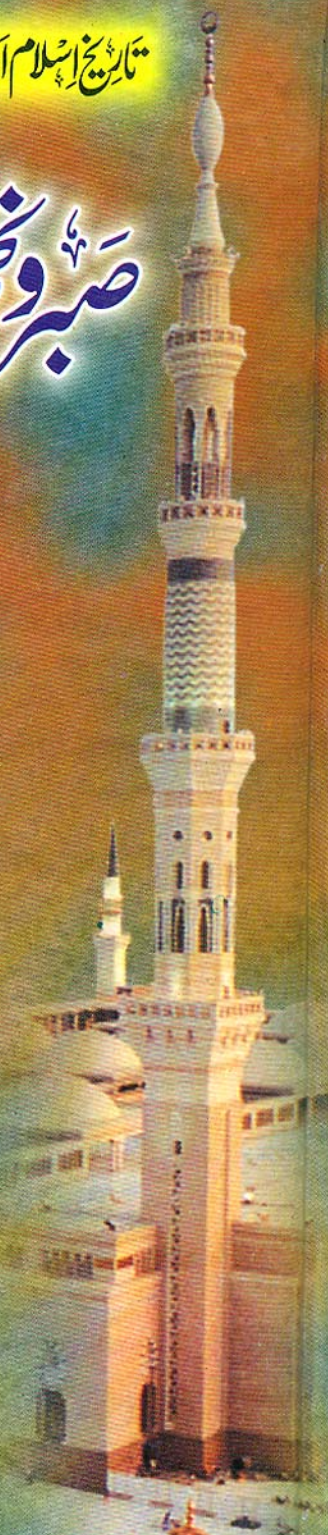
اِدارہ اِسلامیات کراچی، لاہور

پہلی بار : ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ

اہتمام : اشرف برادران سلمہم الرحمٰن

ناشر : ادارۂ اسلامیات کراچی۔لاہور

ملنے کے پتے

☆ ادارۂ اسلامیات : موہن روڈ، چوک اردو بازار، کراچی

☆ ادارۂ اسلامیات : ۱۹۰، انارکلی لاہور

☆ ادارۂ اسلامیات : دینا ناتھ مینشن، شارع قائداعظم لاہور

☆ ادارۃ المعارف : ڈاکخانہ دارالعلوم کراچی ۱۴

☆ مکتبہ دارالعلوم : جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۴

☆ دارالاشاعت : ایم اے جناح روڈ کراچی

☆ ادارۂ تالیفات اشرفیہ : بیرون بوہڑ گیٹ ملتان شہر

☆ ادارۂ تالیفات اشرفیہ : جامع مسجد تھانیوالی ہارون آباد بہاولنگر

☆ بیت القرآن : اردو بازار کراچی

☆ بیت الکتب : نزد اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی

☆ بیت العلوم : ۲۶ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی، لاہور

آئینہ مضامین	تاریخ وفات	صفحہ نمبر

تاثرات

حضرت مولانا مفتی محمود اشرف عثمانی صاحب مدظلہم

استاذ الحدیث ونائب مفتی جامعہ دار العلوم کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفی

اما بعد:

کئی سال گزرے اس ناچیز نے علم کے ساتھ صبر وتحمل کی ضرورت پر چند مضامین لکھے تھے جو علم اور حلم کے نام سے رسالہ ''البلاغ'' میں شائع ہوئے اور بحمد اللہ بہت سے احباب بلکہ بعض اکابر نے بھی اسے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا۔ انہی احباب کی خواہش پر یہ مضامین مرتب ہو کر ایک مختصر کتاب کی شکل میں طبع ہوئے اور یہ کتاب علم اور حلم کے نام سے بازار میں بھی دستیاب ہے۔

جن احباب نے ان مضامین کو پسند کیا ان میں مدرسہ عربیہ رحیم آباد، صادق آباد (ضلع رحیم یار خان) کے استاذ مولانا محمد صاحب سلمہٗ بھی تھے۔ انہوں نے اس موضوع پر احقر کے کام کو مزید بڑھاتے ہوئے علماء کے صبر وتحمل سے متعلق اہم اور نصیحت آموز واقعات تاریخ اسلام اور سیر وسوانح کی کتابوں سے جمع کر کے انہیں ایک کتاب کی شکل دی ہے۔ یہ واقعات ہمیں بتاتے ہیں کہ علماء امت کس طرح خون کے گھونٹ پی کر اپنے جذبات پر قابو پاتے ہیں اور غصہ دلانے والے اور جذبات برانگیختہ کرنے والے نادان لوگوں کی حرکتوں اور باتوں کو برداشت کرتے ہوئے صبر وتحمل کی

عظیم صفات پر کس طرح عمل پیرا ہو کر اپنی دنیا وآخرت درست رکھتے ہیں۔

عزیزم مولانا محمد سلمہ، کی خواہش تھی کہ ان کا یہ مجموعہ احقر کے رسالہ علم اور حلم کا ضمیمہ بن کر شائع ہو لیکن احقر نے دیکھا کہ ماشاء اللہ بذاتِ خود یہ مستقل کتاب ہے اس لئے اسے علیحدہ مستقل رسالہ کی شکل میں شائع کرنا زیادہ مناسب معلوم ہوا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ موصوف سلمہ، کی اس تالیف کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول سے نوازیں اور اسے مؤلف، طابع، اور قارئین کے لئے علمی اور عملی طور پر نافع بنا دیں۔ آمین

احقر محمود اشرف غفراللہ لہٗ

۷ محرم الحرام ۱۴۲۵ھ

عرض مرتب

حلم و بردباری، ضبط وتحمل اور مخالفین و معاندین سے عفو و درگذر کا معاملہ اولیاء اللہ اور خاصان خدا کا امتیازی وصف رہا ہے۔قرآن وحدیث میں کثرت سے اس کی ترغیب وتحریض اور حلیم الطبع لوگوں کے بڑے فضائل ومناقب وارد ہوئے ہیں۔

حلم و بردباری کی عظمت و بزرگی کی اس سے بڑی دلیل کیا ہوگی کہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور قرآن مجید میں جگہ جگہ اس کا ذکر ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۱) وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ (۲۲۵:۲) اور اللہ بخشنے والا ہے تحمل والا

(۲) وَاعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ (۲۳۵:۲) اور جان لو کہ اللہ بخشنے والا ہے تحمل والا

(۳) وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ (۲۶۳:۲) اور اللہ بے پرواہ ہے تحمل والا

(۴) أَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ (۱۵۵:۳) بیشک اللہ بخشنے والا ہے تحمل والا

(۵) وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ (۱۲۵:۴) اور اللہ جاننے والا ہے تحمل والا

(۶) وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ (۱۰۱:۵) اور اللہ بخشنے والا ہے تحمل والا

(۷) إِنَّهٗ كَانَ حَلِيْماً غَفُوْراً (۴۴:۱۷) بیشک وہ اللہ ہے تحمل والا بخشنے والا

(۸) وَ إِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ (۵۹:۲۲) اور بیشک اللہ البتہ جاننے والا ہے تحمل والا

(۹) وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْماً حَلِيْماً (۵۱:۳۳) اور ہے اللہ جاننے والا تحمل والا

(۱۰) إِنَّهٗ كَانَ حَلِيْماً غَفُوْراً (۴۱:۳۵) بیشک وہ اللہ ہے تحمل والا بخشنے والا

(۱۱) وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ (۱۷:۶۴) اور اللہ قدردان ہے تحمل والا

رسول اللہ ﷺ کو دشمنوں نے ہر طرح ستایا بالخصوص مشرکین مکہ نے ظلم و جور

کا ہر حربہ آپ ﷺ پر آزمایا۔ دندانِ مبارک کو شہید کیا گیا، جسد اطہر کو زخمی کر کے لہولہان کر دیا گیا، حالت سجدہ میں اونٹ کی بدبودار اوجھڑی آپ ﷺ پر ڈال دی گئی، گالیوں کی بوچھاڑ کی گئی، ایک بدنہاد مشرک نے چہرہ انور پر تھوکنے سے بھی دریغ نہ کیا حتی کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لقد اوذیت فی اللہ ما لم یؤذ أحد.

(بیہقی، احمد)

مجھے اللہ کی خاطر اتنا ستایا گیا کہ دنیا میں اتنا کسی کو نہیں ستایا گیا

لیکن یک قلم آپ ﷺ نے سب کو معاف فرما کر دنیا کے سامنے شانِ حلم کا وہ نمونہ پیش فرمایا جس کی مثال پیش کرنے سے انسانی تاریخ قاصر ہے۔

۸ ھ میں جب آپ ﷺ لشکر جرار کی قیادت کرتے ہوئے مکہ مکرمہ میں فاتحانہ شان سے داخل ہوئے تو تمام دشمن دست بستہ، سر افگندہ سامنے موجود تھے۔ ان کا سر قلم کرنے کے لئے آپ ﷺ کا صرف اشارہ ابرو کافی تھا لیکن آپ ﷺ نے یہ اعلان فرما کر سب کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا کہ:

آج میں تم سے وہی کہتا ہوں جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا کہ لا تثریب علیکم الیوم اذھبوا فأنتم الطلقاء (آج تم پر کوئی الزام نہیں جاؤ تم سب آزاد ہو۔)

(زاد المعاد ۱:۴۲۴)

فاتحانہ مکہ آئے سر جھکائے چشم نم
امن کا اعلان کیا نادم ہوئے اہل وطن

ہند، ابوسفیان، وحشی کردیا سب کو معاف
تھک چکے تھے دشمنی کرتے ہوئے جو مرد و زن

اسی طرح صحابہ وتابعین اور اسلاف امت کی زندگیوں پر ایک اچٹتی سی نگاہ ڈالیں تو ان کی پاکیزہ سیرتوں میں بھی عفو و درگذر اور دشمن پروری کا پہلو نمایاں طور پر سامنے آتا ہے بالخصوص اکابر دیوبند کثّر اللہ سوادھم کو توحید و سنت کی پاسداری اور شرک و بدعت کی بیخ کنی کی پاداش میں دُشنام اتہام کے جس طوفان کا سامنا کرنا پڑا اس کی مثالیں تاریخ اسلام میں خال خال ہی ملتی ہیں۔ دشمنوں کی تمام تر ہفوات کے جواب میں ان حضرات نے جس ضبط وتحمل اور صبر و برداشت کا مظاہرہ کیا اس نے یقیناً صبر ایوب اور حلم محمدی ﷺ کی یاد تازہ کردی۔

اقبال مرحوم کا یہ شعر صحیح طور پر ان حضرات کا ترجمان حال ہے

؎ کہہ رہا ہے جوش دریا سے سمندر کا سکوت
جس کا جتنا ظرف ہے اتنا ہی وہ خاموش ہے

معروف دانشور حکیم محمد سعید شہید بڑے پتے کی بات کہہ گئے:

میرا سرمایہ حیات یہ ہے کہ میں کبھی انتقام نہیں لیتا۔ میرے ساتھ اگر کوئی برائی کرتا ہے تو میں محبت اور خلوص کی طاقت سے اس کا جواب دیتا ہوں۔ زندگی کے اس عجیب وغریب تجربہ سے وہ سکون پہنچتا ہے جس کی کوئی حد ہے نہ انتہاء۔

اور کسی دانا کا یہ قول بھی آب زر سے لکھنے کے قابل ہے:

''معافی بہترین انتقام ہے۔''

پھر تجربہ شاہد ہے کہ صبر وثبات اور ضبط وتحمل کے نتیجہ میں انسان کی شان نہیں گھٹتی بلکہ اس کا مقام و مرتبہ بلند سے بلند تر ہوجاتا ہے اور مخالف اگر بالکل گیا گزرا انسان

نہ ہو تو اس کے اخلاق سے متاثر ہو کر خود شرمندہ ہو جاتا ہے اور اپنی غلط روش تبدیل کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے اسی حقیقت کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ عبدالوہاب شعرانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

غرض اچھی طرح معلوم ہو گیا کہ عاقل کو یہ نہ چاہئے کہ جس شخص کی بابت اس کو یہ خبر پہنچے کہ وہ اس کی آبروریزی کرتا ہے تو خود بھی اس کا مقابلہ ایسی ہی نفرت اور آبروریزی سے کرنے لگے کیونکہ اس سے بات بڑھ جائیگی اور معاملہ ناگوار صورت اختیار کرلے گا بخلاف اس کے اگر ہم تحمل و بردباری اور درگذر سے کام لیں تو اس صورت میں اچھا نتیجہ پیدا ہونے کی امید ہے اور بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ جب اس مخالف کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے اس ناگوار بات سے جو ہم تک پہنچائی گئی تھی اس کی براءت ظاہر کی اور اس کی نسبت یہ کہا ہے کہ خدا کی پناہ فلاں شخص ایسا نہیں ہے کہ لوگوں کی آبرو کے پیچھے پڑے تو یہ سن کر اس پر ندامت طاری ہو جاتا ہے (اور آئندہ کے لئے ہماری آبروریزی سے بالکل باز آجاتا ہے) اور دشمن کو زیر کرنے کے لئے یہ بہت بڑی سیاست (اور نہایت مجرب تدبیر) ہے اس پر تم کو عمل کرنا چاہئے۔

(ہم سے عہد لیا گیا ترجمہ الدرالمنضود ص:۳۲۷)

لیکن اس زمانے میں یہ افسوسناک المیہ بھی کسی سے مخفی نہیں کہ انسان کو رشک ملائک بنا دینے والے یہ حسین وجمیل اوصاف زیورِ عمل بننے کی بجائے زینتِ اوراق بن چکے ہیں۔ ان کے تذکروں سے ہم اپنی محفلوں کو تو رونق بخشتے ہیں مگر اس کی توفیق نہیں ملتی کہ ان کو اپنا کر اپنی زندگیاں سنوار لیں۔ نتیجہ سامنے ہے کہ پورا معاشرہ بے عملی اور بدامنی کے سبب جنگ وجدال اور ظلم وفساد کی آماجگاہ بنا ہوا ہے۔

اس صورت حال کا تقاضا تھا کہ علماء کرام انسانی اقدار واخلاق کو عموماً اور حلم و ضبط کو خصوصاً اپنی تقریر وتحریر کا موضوع بنا کر مسلم معاشرہ میں پھر سے انہیں زندہ کریں۔

اس احیاء فرض کے لئے اللہ تعالی نے اپنے ایک محبوب بندے کو توفیق عطا فرمائی۔ میری مراد استاذ محترم حضرت اقدس مفتی محمود اشرف عثمانی صاحب زید مجدہم ہیں جنہوں نے علم اور حلم کے نام سے ایک جامع کتاب مرتب فرما کر ہر بندہ مؤمن کو اس کی بھولی بسری اور گم شدہ متاع کا پتہ دے دیا۔

کتاب ماشاء اللہ اپنے موضوع کی آیات و احادیث اور واقعات سیرت کی جامع ہے اور ہر پڑھے لکھے مسلمان کے لئے لائق مطالعہ ہے لیکن استاذ محترم کی خواہش تھی کہ اس کے پہلو بہ پہلو اگر اس موضوع پر صحابۂ کرامؓ اور بزرگان دین کے واقعات کا ایک مجموعہ بھی تیار ہو جائے تو کتاب کی افادیت دو چند ہو جائے گی۔

اللہ تعالی نے ان کے ایک ادنی شاگرد کو اس کی توفیق مرحمت فرما کر اپنے محبوب بندے کی دلی مراد پوری کر دی۔

می دہد یزداں مراد متقیں

یہ دعوی تو مشکل ہے کہ یہ مجموعہ اپنے موضوع پر حرف آخر ہے لیکن بہر حال اس میں ہر دور کے اکابر اہل علم اور اولیاء اللہ کے بصیرت افروز اور سبق آموز واقعات جمع کر کے اسے جامع بنانے کی اپنی سی کوشش ضرور کی گئی ہے۔ رحمت خداوندی سے کیا بعید ہے کہ کوئی خوش نصیب ان واقعات کا مطالعہ کر کے انہیں اپنی عملی زندگی میں اپنا لے اور اس کا کچھ حصہ اس سیاہ کار کو بھی نصیب ہو جائے۔ آمین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

محمد

مدرس مدرسہ عربیہ رحیم آباد، صادق آباد

۱۲/۱/۱۴۲۴ھ

خاتم الانبیاء سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

ابن حبان، حافظ طبرانی اور بیہقی نے اسلام قبول کرنے والے یہودیوں کے ایک بہت بڑے عالم سے روایت کی ہے کہ علاماتِ نبوت میں سے کوئی شئی باقی نہ رہی جس کو میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کو دیکھ کر معلوم نہ کرلیا ہو مگر (صرف) دو علامتیں (ایسی رہ گئیں) جن پر میں مطلع نہ ہو سکا۔ اول یہ کہ نبی آخرالزماں کی بردباری جہل پر سبقت کرے گی۔ دوم یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جہل کی زیادتی بردباری ہی کو زیادہ کرے گی۔ پس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نرم برتاؤ کرتا رہا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اختلاط کا موقع مل سکے اور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بردباری کو معلوم کرسکوں چنانچہ ایک بار میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے (بطریق بیعِ سلم) کچھ کھجوریں مدت مقرر کر کے خرید لیں اور پیشگی قیمت ادا کردی اس کے بعد مدتِ متعینہ سے ایک یا دو روز قبل ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر مجمعِ عام میں آپ کی چادر اور گریبان پکڑ لیا اور ترش روئی کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف گھورتے ہوئے میں نے کہا (اے محمد!) کیا آپ میرا حق ادا نہیں کریں گے؟ اے بنو عبدالمطلب! بخدا تم لوگ ہی ٹال مٹول کرنے والے ہو۔ حضرت عمرؓ (سن رہے تھے آپ) نے فرمایا ''او دشمن خدا! کیا تو حضور کے بارے میں ایسی باتیں کرتا ہے جن کو (میں اپنے کانوں سے) سن رہا ہوں۔ بخدا اگر اس کا خوف نہ ہوتا جس کے قرب کا مجھے اندیشہ ہے تو ابھی تیری گردن مار دیتا۔'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمرؓ کی طرف خاموشی، سنجیدگی اور مسکراہٹ کے ساتھ دیکھتے رہے پھر ارشاد فرمایا ''اے عمر! میں اور یہ تجھ سے کسی اور چیز کے محتاج تھے یعنی اس بات کے کہ تو مجھ کو تو حسنِ ادائیگی کا حکم کرتا اور اس کو نرمی کے ساتھ وصول کرنے کا۔ اچھا ان کو لے جاؤ اور ان کا حق ادا کردو۔ نیز اس منازعت کے صلہ میں بیس صاع مزید دے دو۔'' (یہودی عالم کہتا ہے کہ) میں

نے کہا اے عمر! مجھ کو نبوت کی کل علامتیں آپ ﷺ کا چہرہ اقدس دیکھتے ہی معلوم ہو گئی تھیں، صرف دو باتی تھیں سو آج وہ بھی معلوم ہو گئیں۔ میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں اللہ سے راضی ہوں رب ہونے کے لحاظ سے اور اسلام سے راضی ہوں دین ہونے کے لحاظ سے اور محمد ﷺ سے راضی ہوں نبی ہونے کے لحاظ سے۔ (۱)

(نخبۃ العرب ''الحلم'' ص:۱۴۰)

امیر المؤمنین حضرت عمرؓ

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ عیینہ بن حصن مدینہ منورہ آیا اور اپنے بھتیجے حر بن قیس کے ہاں ٹھہرا۔ حر بن قیس ان لوگوں میں سے تھے جو حضرت عمرؓ کے مقرب تھے۔ حضرت عمرؓ کے اصحابِ مجلس ومشاورت قراء حضرات ہوتے تھے بوڑھے ہوں یا جوان۔ تو عیینہ نے اپنے بھتیجے سے کہا کہ تیرا اس امیر (حضرت عمرؓ) کے ہاں مرتبہ ہے میرے لئے ان کے ہاں حاضری کی اجازت حاصل کر۔ پس بھتیجے نے اس کیلئے اجازت طلب کی تو حضرت عمرؓ نے اسے اجازت دے دی۔ جب عیینہ (حضرت عمرؓ کی خدمت میں) داخل ہوا تو کہنے لگا ''اے خطاب کے بیٹے! خدا کی قسم تم ہمیں زیادہ مال نہیں دیتے اور ہم میں انصاف سے فیصلہ نہیں کرتے۔'' پس یہ سنتے ہی حضرت عمرؓ غضبناک ہو گئے یہاں تک کہ اسے مارنے کا ارادہ کیا تو حر نے آپ سے کہا ''اے امیر المؤمنین! یقیناً اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا ہے۔

---

(۱) یہاں بیان کیا گیا واقعہ ایک طویل حدیث کا حصہ ہے۔ یہاں پر اس حدیث کے صرف انہی اجزاء کے بیان پر اکتفاء کیا گیا ہے جو موضوع سے متعلق ہیں پورا واقعہ جاننے کے لئے ملاحظہ فرمایئے: صحیح ابن حبان ۱/۵۲۱ رقم الحدیث: ۲۸۸، المعجم الکبیر للطبرانی ۵/۲۲۲ رقم الحدیث: ۵۱۴۷، السنن الکبریٰ للبیہقی ۶/۵۲ رقم الحدیث: ۱۱۰۶۶۔ اعجاز احمد غفرلہ

''خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ'' (سورۃ الاعراف: ۱۹۹)

''کہ آپ عفو کو اختیار کریں اور نیکی کا حکم کریں اور جاہلوں سے کنارہ کشی اختیار کریں۔''

اور یہ تو واقعی جاہلوں میں سے ہے۔ (حر فرماتے ہیں) خدا کی قسم جب میں نے یہ آیت تلاوت کی تو حضرت عمرؓ پہلے حال سے آگے نہیں بڑھے (کیونکہ) وہ تو کتاب اللہ (کے حکم) کا بہت اہتمام کرنے والے تھے۔

(صحیح بخاری ۴/۲۰۷، رقم الحدیث ۴۳۶۶)

حضرت سیدنا عثمان غنیؓ

خلیفہ مآب حضرت عثمان ذی النورینؓ تشدد اور سخت گیری پر عفو و درگزر کو ترجیح دیتے تھے۔ انہوں نے نرمی اور رعایت کو ہمیشہ اپنا شعار بنائے رکھا۔

عفو و درگزر کا ایک واقعہ

ابن سبا یہودی کی شر انگیزیوں نے خلیفۃ المسلمین کے خلاف ہر طرف آتش فتنہ مشتعل کر دی تھی اور آپ نے اپنے تمام عمالِ حکومت کو بغرض مشاورت دار الخلافۃ میں طلب فرمایا تھا چنانچہ ہر صوبہ کا والی مدینہ منورہ آیا اور اس نے فتنہ ختم کرنے کیلئے اپنی اپنی رائے پیش کی۔ ان تمام آراء کا خلاصہ یہ تھا کہ امیر المؤمنین مفسدین کے ساتھ نرمی کی بجائے سختی کا برتاؤ کریں لیکن حضرت عثمانؓ نے اس صلاح (مشورہ) پر عمل کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ ''آپ صاحبوں نے جو کچھ فرمایا وہ میں نے سن لیا لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ یہ فتنہ کہیں وہ مفسدہ نہ ہو جس کی مخبر صادق ﷺ نے خبر دے رکھی ہے۔ اگر یہ وہی فتنہ موعودہ ہے تو لامحالہ برپا ہو کر رہے گا۔ میں پوری کوشش کروں گا

کہ حتی الامکان نرمی اور درگذر کے ساتھ اس کو دور کروں اور اپنے علم سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کروں گا کہ میں نے رعایا کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے میں کوتاہی نہیں کی اور مجھے امید ہے کہ کل کو احکم الحاکمین کے دربار میں مجھ پر تشدد اور سخت گیری کا کوئی الزام عائد نہ ہوگا۔ گمان غالب ہے کہ اس فتنہ کی چکی چل کر رہے گی تاہم مبارک ہے عثمان اگر اس چکی کو حرکت میں آنے سے روک سکے۔''

پہلے لکھا جا چکا ہے کہ بہت سے جانثارانِ خلافت نے بڑی دل سوزی کے ساتھ باغیوں سے رزم خواہ ہونے کی اجازت مانگی تھی اور امیر المؤمنین نے فرمایا تھا کہ ''میں وہ خلیفہ نہیں بننا چاہتا جو امت مرحومہ کی خون ریزی کرے۔''

حضرت سیدنا سلمان فارسیؓ

غلبہ اور قدرت ہوتے ہوئے دوسروں کی ناروا اور ناگوار باتوں کو برداشت کر لینا اور انہیں سزا دینے سے گریز کرنا بے شک اربابِ ہمت اور اصحابِ عزیمت کا کام ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشادِ قدرت ہے۔

''وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُوْرِ.'' (الشوریٰ:۴۳)

ترجمہ: اور البتہ جس نے صبر کیا اور معاف کیا تو بیشک یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے۔

حضرت سلمانؓ میں حلم و بردباری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ وہ لوگوں کی طعن و تشنیع سے بھری ہوئی باتیں سنتے اور ان کی جاہلانہ حرکتیں دیکھتے لیکن ان کے چہرے پر ذرا ملال نہ آتا بلکہ بڑی خندہ پیشانی سے ان کو برداشت کر لیتے تھے۔ یہ چیز ان کی انصاف دوستی اور خلقِ خدا پر شفقت کو ظاہر کرتی ہے اور ان کے وسعتِ ظرف و پختگی کردار کی آئینہ دار ہے۔ وہ خود لطیف طرز کے مزاج کو پسند کرتے تھے اور طعن

وتمسخر سے پرہیز کیا کرتے تھے۔ ان کے پرلطف مزاج کا اندازہ اس واقعہ سے بخوبی ہوتا ہے کہ جب انہوں نے بنی کندہ میں شادی کی اور سسرال کے مکان کے در و دیوار کو خوشنما قیمتی پردوں سے آراستہ دیکھا تو پوچھنے لگے "کیا مکان کو بخار چڑھ گیا ہے کہ اس قدر کپڑے اسے لپیٹ دیئے گئے ہیں یا خانۂ خدا بنی کندہ میں اتر آیا ہے کیونکہ کعبہ پر پردے چڑھائے جاتے ہیں۔"

تاریخ اور کتب سیر میں حضرت سلمانؓ کی بردباری کی کئی مثالیں ملتی ہیں۔

پہلا واقعہ

خلیفہ بن سعید المرادی نے اپنے چچا سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت سلمانؓ کو مدائن کی کسی شاہراہ پر سے گزرتے ہوئے دیکھا۔ اچانک ایک اونٹ جس پر سرکنڈے لدے ہوئے تھے وہ آپ سے آکر ٹکرایا۔ آپ کو سخت چوٹ لگی اور جسم درد کرنے لگا۔ آپ پیچھے ہٹ کر شتربان کے پاس گئے اور بازو سے پکڑ کر ہلایا اور پھر اسے کہا "خدا تمہیں اس وقت تک زندہ رکھے جب تک تم نوجوانوں کی حکومت نہ دیکھ لو۔" (طبقات ابن سعد ج:۴ ص:۸۷)

یہ جو کچھ آپ نے فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ میں تو تمہارا حاکم ہوتے ہوئے یہ باتیں برداشت کر لیتا ہوں لیکن جب بنوامیہ کے نوعمر امراء برسراقتدار ہوں گے تو وہ یہ چیزیں قطعاً برداشت نہیں کریں گے۔ پھر تمہیں ہماری قدر معلوم ہوگی۔

دوسرا واقعہ

قبیلہ بنی قیس کے ایک شخص کی روایت ہے کہ میں حضرت سلمانؓ کے ہمراہ تھا۔ وہ اس وقت ایک لڑائی میں لشکرِ اسلام کے سردار تھے۔ ان کا گزر فوجی نوجوانوں پر ہوا۔ وہ انہیں دیکھ کر (ازراہِ مذاق) ہنسنے لگے۔ یہ تمہارے سردار ہیں۔

میں نے حضرت سلمانؓ سے عرض کیا اے ابو عبداللہ! آپ دیکھتے نہیں یہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا انہیں کہنے دو جو کچھ کہتے ہیں اور تم انہیں کچھ نہ کہو۔ بیشک بھلائی اور برائی تو آج کے بعد ہوگی۔ اگر تم سے ہو سکے تو خاک پھانک لو لیکن دو آدمیوں پر بھی امیر ہرگز نہ بنو اور مظلوم اور مجبور شخص کی بددعا سے بچنا کیونکہ (اس کے اور اللہ کے درمیان) پردہ نہیں ہوتا۔

ان تمام روایات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ سادگی سے رہتے تھے اور طاقت و اقتدار کے ہوتے ہوئے بھی لوگوں کی سخت، سست اور ناگوار باتوں کو بڑے تحمل کے ساتھ برداشت کر لیتے تھے ان سے ہرگز ناراض نہ ہوتے تھے اور نہ انتقامی کاروائی کرنے کا خیال تک دل میں لاتے تھے البتہ آپ شریعت اور قانون کی خلاف ورزی خواہ کسی سے ہو، اسے کبھی برداشت نہ کر سکتے تھے۔ اس وقت یہ مرنجان مرنج شخصیت تیغِ بے نیام بن جاتی تھی۔ (سیرت سلمان فارسیؓ ص: ۲۱۳،۲۱۵)

حضرت ابوذر غفاریؓ

ایک شخص نے حضرت ابوذر غفاریؓ کو گالی دی۔ آپ نے فرمایا "میرے اور جنت کے درمیان ایک سخت ترین گھاٹی حائل ہے اگر میں اس سے پار ہو گیا تو بخدا مجھے تیری اس بات کی کوئی پرواہ نہیں اور اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کے ورے ہی روک دیا تو میں اس سے زیادہ کا مستحق ہوں جو تو نے مجھے کہا۔" (نخبۃ العرب ص: ۱۳)

حضرت سیدنا حسنؓ

(۱) عار الناس کا جواب

حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد کوفیوں نے امام حسنؓ کے ہاتھ پر بیعتِ خلافت کی۔ ابھی چھ ماہ اور کچھ دن آپ نے خلافت کی تھی کہ ایک دن امیر معاویہؓ ان

کے پاس آئے اور چند شرائط طے ہو جانے کے بعد آپ حضرت معاویہؓ کے حق میں خلافت سے دستبردار ہو گئے۔ اس پر امام حسنؓ کے دوست آپ کو ''عار الناس'' (یعنی لوگوں کیلئے عار) کہہ کے آواز دیتے تو آپ جواب دیتے کہ عار (شرم) اچھی ہے دوزخ سے۔ (الاستیعاب ۱/۳۸۶، تہذیب الکمال ۶/۲۴۴، فتح الباری ۱۳/۶۵)

(۲) یا مذل المؤمنین کا جواب

ایک آدمی نے کہا ''السلام علیکم یا مذل المؤمنین '' (اے مسلمانوں کو ذلت دینے والے) آپ نے جواب دیا ''میں مسلمانوں کو ذلت ورسوائی دینے والا نہیں ہوں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ مجھے تم مسلمانوں کو صرف مملکت کی خاطر جنگ کے شعلوں میں جھونکنا پسند نہیں۔''

(المستدرک ۳/۱۹۲ رقم الحدیث ۴۸۱۲، مصنف ابن ابی شیبۃ ۷/۴۷۶ رقم الحدیث ۳۷۳۵۷)

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ

حضرت حسانؓ جن سے ''واقعۂ افک'' میں حضرت عائشہؓ کو سخت صدمہ پہنچا تھا، ان کی مجلس میں شریک ہوتے اور وہ ان کو بڑی خوشی سے جگہ دیتیں۔ ایک دفعہ حضرت حسانؓ آئے اور اپنا ایک قصیدہ سنانے لگے۔ اس کے ایک شعر کا مطلب یہ تھا کہ ''وہ بھولی بھالی عورتوں پر تہمت نہیں لگاتی۔'' حضرت عائشہ صدیقہؓ کو افک کا واقعہ یاد آگیا۔ اس پر صرف اسی قدر فرمایا کہ ''لیکن تم ایسے نہیں ہو۔''

بعض عزیزوں نے افک کے واقعہ میں ان کی شرکت کے سبب سے حضرت عائشہؓ کے سامنے حضرت حسانؓ کو برا کہنا چاہا تو انہوں نے سختی سے روکا کہ ''ان کو برا نہ کہو کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے مشرک شاعروں کو جواب دیا کرتے تھے۔

(صحیح البخاری ۴/۱۵۲۳ رقم الحدیث ۳۹۱۵، ۴/۹ ۱۷۷ رقم الحدیث ۴۴۷۷، مسلم ۴/۱۹۳۴ رقم الحدیث ۲۴۸۸)

امیر المؤمنین سیدنا معاویہ بن ابی سفیانؓ

حلم وبردباری

آپ اس درجہ کے حلیم وبردبار تھے کہ آپ کا حلم ضرب المثل بن گیا اور آپ کے تذکرہ کے ساتھ حلم کا تصور اتنا لازم ہوگیا کہ بغیر اس کے آپ کا تذکرہ نامکمل ہے۔ آپ کے مخالفین آپ کے پاس آئے اور بسا اوقات انتہائی نازیبا رویہ اور سخت کلامی کے ساتھ پیش آئے مگر آپ اسے ہنسی میں ٹال دیتے۔ یہی وہ رویہ تھا جس نے بڑے سرداروں اور آپ کے مخالفوں کو آپ کے سامنے سر جھکانے پر مجبور کر دیا چنانچہ حضرت قبیصہ بن جابر کا قول ہے کہ ''میں نے حضرت معاویہؓ سے بڑھ کر کسی کو بردبار نہیں پایا۔'' (الآحاد والمثانی ۱/۳۷۷، سیر اعلام النبلاء ۳/۱۵۳)

(۱) ابن عون کا بیان ہے کہ حضرت معاویہؓ کے زمانے میں ایک عام آدمی کھڑا ہوتا اور ان سے کہتا ''اے معاویہ! تم ہمارے ساتھ ٹھیک ہو جاؤ ورنہ ہم تمہیں سیدھا کر دیں گے۔'' اور سیدنا معاویہؓ فرماتے ''بھلا کس چیز سے سیدھا کرو گے؟'' تو وہ جواب میں کہتا کہ لکڑی سے۔ آپ فرماتے ''اچھا! پھر ہم ٹھیک ہو جائیں گے۔''

(حافظ ذہبی: تاریخ الاسلام ص:۳۲۳ ج:۲)

(۲) حضرت مسورؓ کا واقعہ مشہور ہے کہ شروع میں آپ کے مخالف تھے۔ پھر وہ آپ کے پاس اپنی کسی حاجت سے آئے۔ آپ نے وہ حاجت پوری کی۔ پھر انہیں بلایا اور فرمایا ''اے مسور! تم ہم پر کیا طعن وتشنیع کرتے رہے ہو؟'' حضرت مسورؓ نے جواب دیا ''اے امیر المؤمنین! جو کچھ ہوا اسے بھول جایئے۔'' آپ نے فرمایا ''نہیں وہ سب باتیں جو تم میرے متعلق کہا کرتے تھے بیان کرو۔'' چنانچہ حضرت مسورؓ نے وہ تمام باتیں آپ کے سامنے دہرا دیں جو وہ آپ کے متعلق کہا کرتے تھے۔ آپ نے خندہ پیشانی کے ساتھ تمام الزامات کو سنا اور ان کا جواب دیا۔ آپ کے اس رویہ کا اثر

یہ ہوا کہ اس واقعہ کے بعد حضرت مسورؓ جب حضرت معاویہؓ کا ذکر کرتے، بہترین الفاظ میں کرتے اور ان کیلئے دعائے خیر کیا کرتے تھے۔

(خطیب بغدادی: تاریخ بغداد ص:۲۰۸ ج:۱)

آپ کے حلم اور بردباری کے واقعات کتبِ تاریخ میں بھرے پڑے ہیں، منہ پھٹ لوگ اور مخالفین آتے اور جس طرح منہ میں آتا شکایتیں پیش کرتے مگر آپ انتہائی بردباری سے کام لیتے، ان کی شکایات سنتے، ان کی تکلیفوں کو حتی الامکان دور کرتے اور ان کو انعامات سے نوازتے تھے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ جب وہ آپ کی مجلس سے اٹھتے تو آپ کے گرویدہ ہو کر مجلس سے باہر آتے۔ خود حضرت معاویہؓ کا قول ہے کہ ’’غصہ کے پی جانے میں جو مزہ مجھے ملتا ہے وہ کسی شے میں نہیں ملتا۔‘‘

(تاریخ طبری ص:۱۵۷ ج:۲)

مگر یہ سب حلم اور بردباری اس وقت تک ہوتی جب تک کہ دین اور سلطنت کے امور پر زد نہ پڑتی ہو۔ اسی وجہ سے اگر کہیں سختی کرنے کا موقعہ ہوتا تو سختی بھی فرماتے اور اصولوں پر کسی قسم کی مداہنت برداشت نہ کرتے۔ چنانچہ آپ کا قول ہے:

’’إِنِّي لَا أَحُوْلُ بَيْنَ النَّاسِ وَبَيْنَ أَلْسِنَتِهِمْ مَا لَمْ يَحُوْلُوْا بَيْنَنَا وَبَيْنَ مُلْكِنَا.‘‘ (تاریخ طبری ۲۶۸/۴)

’’کہ میں لوگوں اور ان کی زبانوں کے درمیان اس وقت تک حائل نہیں ہوتا جب تک کہ وہ ہمارے اور ہماری سلطنت کے درمیان حائل نہ ہونے لگیں۔‘‘

اسی طرح ایک اور موقعہ پر حضرت معاویہؓ اصولِ سیاست بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''جہاں میرا کوڑا کام دیتا ہے وہاں تلوار کام میں نہیں لاتا۔ جہاں زبان کام دیتی ہے وہاں کوڑا کام میں نہیں لاتا۔ اگر میرے اور لوگوں کے درمیان بال برابر تعلق بھی قائم ہو، اسے قطع نہیں ہونے دیتا، جب لوگ اسے کھینچتے ہیں تو میں ڈھیل دے دیتا ہوں اور جب وہ ڈھیل دیتے ہیں تو میں کھینچ لیتا ہوں۔''

(یعقوبی ص: ۲۳۸ ج:۲)

عفوو درگذر

حق تعالیٰ نے آپ کو دیگر صفاتِ محمودہ کے علاوہ حسنِ خلق اور عفوو درگزر کی اعلیٰ صفات سے بھی نوازا تھا۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ مخالفین اور جہلاء آپ کے پاس آتے، بدتہذیبی کے ساتھ پیش آتے اور آپ بلند حوصلگی سے کام لے کر درگذر کرتے۔ اس سلسلہ میں ایک عجیب وغریب واقعہ کا ذکر بے جا نہ ہوگا جس سے حضرت معاویہؓ کے صبر وتحمل، فداکاری اور اطاعت رسول ﷺ پر روشنی پڑتی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی حیاتِ بابرکات میں حضرت وائل بن حجرؓ جو حضر موت کے بادشاہ کے بیٹے تھے، آپ ﷺ کی خدمت میں اسلام قبول کرنے کیلئے حاضر ہوئے اور مشرف باسلام ہونے کے بعد کچھ روز آپ ﷺ کے پاس مقیم رہے۔ جب وہ واپس ہونے لگے تو آنحضرت ﷺ نے حضرت معاویہؓ کو کسی ضرورت کی وجہ سے ان کے ساتھ کر دیا۔ حضرت معاویہؓ ساتھ ہو لئے۔ یہ پیدل تھے اور وائل بن حجرؓ اُونٹ پر سوار، حضرت وائلؓ خاندانی شہزادے تھے اور نئے نئے اسلام لائے تھے، شہزادگی کی خو بو ابھی باقی تھی، اس لئے انہوں نے حضرت معاویہؓ کو ساتھ بٹھانا گوارا نہ کیا۔ کچھ دور تک تو حضرت معاویہؓ پیدل چلتے رہے مگر عرب کے صحرا کی گرمی الامان والحفیظ جب پاؤں تپتی ہوئی ریت میں جھلسنے لگے تو تنگ آ کر حضرت وائلؓ سے گرمی کی شکایت کی اور کہا کہ مجھے بھی اپنے ساتھ سوار کر لیجئے مگر وہ شہزادگی کی شان میں تھے،

کہنے لگے یہ کیونکر ممکن ہے کہ میں تمہیں سوار کرلوں؟ تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو جو بادشاہوں کے ساتھ سوار ہو سکتے ہوں۔'' حضرت معاویہؓ نے فرمایا اچھا اپنے جوتے ہی دے دیجئے کہ ریت کی گرمی سے کچھ بچ جاؤں مگر انہیں نے اس سے بھی انکار کر دیا اور کہنے لگے تمہارے لئے بس اتنا شرف کافی ہے کہ میری اونٹنی کا جو سایہ زمین پر پڑ رہا ہے اس پر پاؤں رکھ کر چلتے رہو۔ مختصر یہ کہ انہوں نے نہ حضرت معاویہؓ کو سوار ہونے دیا اور نہ اس قیامت خیز گرمی سے بچنے کا کوئی اور انتظام کیا اور سارا راستہ حضرت معاویہؓ نے پیدل طے کیا۔ ظاہر ہے کہ حضرت معاویہؓ بھی خاندانی اعتبار سے کچھ کم رتبہ نہیں تھے۔ وہ بھی سردارِ قریش کے بیٹے تھے لیکن آنحضرت ﷺ کے حکم کی اطاعت کیلئے پیشانی پر شکن ڈالے بغیر ان کے ساتھ چلتے رہے مگر یہی وائل بن حجرؓ حضرت معاویہؓ کے پاس اس وقت آتے ہیں جب وہ خلیفہ بن چکے ہیں تو حضرت معاویہؓ انہیں پہچانتے ہیں اور وہ سارا واقعہ ان کی آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے مگر اس کے باوجود وہ سب کچھ بھلا کر ان کی بھرپور مہمانداری کرتے ہیں اور ان کے ساتھ انتہائی عزت واکرام کا برتاؤ کرتے ہیں۔

(تاریخ کبیر للبخاری ۸/۱۷۵، المعجم الصغیر ۲/۸۴۷۔۱۱۷۶ الطبقات الکبریٰ ۱/۳۴۹)

اس واقعہ سے آپ کے اخلاقِ کریمانہ، بلند حوصلگی اور عفو و درگذر کا کچھ اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ (ماخوذ از ''حضرت معاویہ اور تاریخی حقائق'' ص: ۲۸۵، ۲۸۸)

(۳) آپ کے دور حکومت پر ایک شیعہ مؤرخ کا تبصرہ

مضمون کے آخر میں اس تبصرہ کو نقل کر دینا غیر مناسب نہ ہوگا جو ساتویں صدی ہجری کے مشہور مؤرخ ابن طباطبا نے اپنی کتاب ''الفخری'' میں حضرت معاویہؓ اور ان کے دورِ حکومت پر کیا ہے۔ اس تبصرہ کی اہمیت اس لئے بھی زیادہ ہے کہ یہ تبصرہ ایسے مؤرخ نے کیا ہے جو شیعہ ہے اور اثنا عشری طبقے سے تعلق رکھتا ہے اگرچہ اس تبصرہ

میں کہیں کہیں انہوں نے جانبداری سے بھی کام لیا ہے مگر بحیثیتِ مجموعی اس میں تعصب کم اور حقیقت کا عنصر زیادہ غالب ہے۔

مؤرخ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

''حضرت معاویہؓ دنیوی معاملات میں بہت ہی دانا تھے، فرزانہ و عالم تھے، حلیم اور باجبروت فرمانروا تھے، سیاست میں کمال حاصل تھا اور دنیاوی معاملات کو سلجھانے کی اعلیٰ استعداد رکھتے تھے، دانا تھے، فصیح و بلیغ تھے، حلم کے موقع پر حلم اور سختی کے موقع پر سختی بھی کرتے تھے لیکن حلم بہت غالب تھا، سخی تھے، مال خوب دیتے تھے، حکومت کو پسند کرتے تھے بلکہ اس سے دلچسپی تھی، رعایا کے شریف لوگوں کو انعامات سے نوازتے رہتے تھے، اس لئے قریشی شرفاء مثلاً عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، عبداللہ بن جعفر طیارؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ، ابان بن عثمان بن عفانؓ اور خاندانِ ابو طالب کے دوسرے لوگ دمشق کا سفر کر کے ان کے پاس جاتے تھے اور (حضرت) معاویہؓ خاطر تواضع اور مہمان نوازی کے علاوہ ان کی ضروریات پوری کرتے رہتے، یہ لوگ ہمیشہ ان سے سخت کلامی کرتے اور نہایت ناپسندیدہ انداز سے پیش آتے لیکن یہ کبھی تو اسے ہنسی میں اڑا دیتے اور کبھی سنی ان سنی کر دیتے اور جب ان حضرات کو رخصت کر دیتے تو بڑے اعلیٰ تحائف اور انعامات دے کر رخصت کرتے۔ ایک بار انہوں نے ایک انصاری کے پاس پانچ سو دینار یا درہم بھیجے، انصاری نے بہت کم خیال کیا اور اپنے بیٹے سے کہا کہ یہ رقم لے جاؤ اور حضرت معاویہؓ کے منہ پر مار کر واپس کر دو۔ پھر اس سے قسم دے کر کہا کہ جیسا میں نے بتایا ہے اسی طرح کرے۔ وہ رقم لے کر (حضرت) معاویہؓ کے پاس پہنچا اور کہا:

اے امیر المؤمنین! میرے والد گرم مزاج اور جلد باز ہیں انہوں نے قسم دے کر ایسا حکم دیا ہے اور میں ان کے خلاف کرنے کی قدرت نہیں رکھتا۔ یہ سن کر

(حضرت) معاویہؓ نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا کہ تمہارے والد نے جو کچھ حکم دیا ہے اسے پورا کرلو اور اپنے چچا کے (یعنی میرے) ساتھ نرمی بھی ملحوظ رکھو (یعنی زور سے نہ مارو) وہ صاحبزادے شرما گئے اور رقم ڈال دی۔ حضرت معاویہؓ نے رقم دوگنی کر کے انصاری کو بھجوا دی۔ آپ کے لڑکے یزید کو جب خبر ہوئی تو غصہ میں اپنے والد کے پاس آیا اور کہا:

''آپ حلم میں مبالغہ سے کام لینے لگے ہیں۔ اندیشہ ہے کہ لوگ اسے آپ کی کمزوری اور بزدلی پر محمول کرنے لگیں گے۔'' انہوں نے کہا کہ ''بیٹے! حلم میں نہ کوئی ندامت کی بات ہے، نہ برائی کی۔ تم اپنا کام کرو اور مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔''

اس قسم کے کردار نے (حضرت) معاویہؓ کو خلیفۂ عالم بنا دیا اور مہاجرین وانصار میں ہر وہ شخص ان کے آگے جھک گیا جو اپنے آپ کو ان سے زیادہ حق دارِ خلافت سمجھتا تھا۔ حضرت معاویہؓ مدبر ترین انسان تھے۔

حضرت عمر بن الخطابؓ نے ایک بار اہل مجلس سے فرمایا: ''تم لوگ قیصر وکسریٰ اور ان کی سیاست کی تعریف کرتے ہو حالانکہ تمہارے اندر معاویہؓ موجود ہیں۔''

(الفخری ص:۱۲۹ ماخوذ از ''حضرت معاویہؓ اور تاریخی حقائق'' ص:۲۹۷-۲۹۹)

سیدنا حضرت علی بن حسینؓ

مفتی اعظم حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ اپنی تفسیر ''معارف القرآن'' میں قرآن کریم کی آیت ''وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ'' کی تفسیر کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

''امام بیہقیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت سیدنا علی بن حسینؓ کا ایک عجیب

واقعہ نقل فرمایا ہے کہ آپ کی ایک کنیز آپ کو وضوء کرا رہی تھی کہ اچانک پانی کا برتن اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر حضرت علی بن حسینؓ کے اوپر گرا تمام کپڑے بھیگ گئے۔ غصہ آنا طبعی امر تھا۔ کنیز کو خطرہ ہوا تو اس نے فوراً یہ آیت پڑھی: ''وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ'' یہ سنتے ہی خاندانِ نبوت کے اس بزرگ کا سارا غصہ ٹھنڈا ہو گیا، بالکل خاموش ہو گئے۔ اس کے بعد کنیز نے آیت کا دوسرا جملہ: ''وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ'' پڑھ دیا تو فرمایا کہ میں نے تجھے دل سے بھی معاف کر دیا۔ کنیز بھی ہوشیار تھی اس کے بعد اس نے تیسرا جملہ بھی سنایا: وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ''جس میں احسان اور حسنِ سلوک کی ہدایت ہے۔ حضرت علی بن حسینؓ نے یہ سن کر فرمایا کہ جا میں نے تجھے آزاد کر دیا۔''

(معارف القرآن ج:۲ ص:۱۸۹، شعب الایمان ۶/۳۱۷۔۸۳۱۶)

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے اگرچہ عنفوانِ شباب سے لے کر تا دمِ مرگ حاکمانہ حیثیت کے ساتھ زندگی بسر کی تاہم وہ ہمیشہ حلیم، نرم خو اور متحمل مزاج رہے۔

(۱) ایک بار ایک خارجی نے سلیمان بن عبد الملک کو برا بھلا کہا جس کی پاداش میں سلمان نے اس کو قتل کروا دیا لیکن قتل سے پہلے جب حضرت عمر بن عبد العزیزؒ سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا کہ آپ بھی اس کو برا بھلا کہہ لیجئے۔

سلیمان بن عبد الملک کی زندگی میں تو یہ ان کا مشورہ تھا لیکن اس کی وفات کے بعد جب خود خلیفہ ہوئے تو اس پر عمل کرنے کا وقت آیا چنانچہ ایک بار ان کے عامل عبد الحمید بن عبد الرحمٰن نے ان کو لکھا کہ میرے اجلاس میں ایک شخص اس جرم میں پیش کیا گیا ہے کہ وہ آپ کو گالیاں دیتا ہے۔ میں نے اس کی گردن اڑا دینی چاہی تھی لیکن پھر اس خیال سے قید کر دیا کہ اس بارے میں آپ کی رائے لے لوں۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے جواب میں لکھا کہ ''اگر تم اس کو قتل کر دیتے تو میں تم سے قصاص لیتا۔

رسول اللہ ﷺ کے سوا کسی اور کے گالی دینے پر کوئی شخص قتل نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے اگر تمہارا جی چاہے تو اس کو گالی دے لو ورنہ رہا کردو۔''

(السنن الکبریٰ للبیہقی ۸/۱۸۴، سیرت عمر بن عبد العزیزؒ مصنفہ مولانا عبد السلام ندویؒ ص:۵۳، ۵۴)

(۲) ایک بار منبر پر خطبہ دے رہے تھے کہ اسی حالت میں ایک شخص نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تم فاسق ہو۔ یہ سن کر صرف اس قدر بولے کہ ''تم جھوٹے گواہ ہو میں تمہاری شہادت کو قبول نہیں کرتا۔'' (ایضاً ص:۵۴)

(۳) ایک بار کسی نے ان کو نامناسب کلمات کہے، لوگ بولے کہ آپ کیوں چپ ہیں؟ فرمایا کہ ''تقویٰ نے منہ میں لگام لگادی ہے۔'' (ایضاً)

(۴) ایک بار کسی نے ایک آدمی کی نسبت ان سے کہا کہ یہ آپ کو گالی دیتا ہے۔ انہوں نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ اس نے پھر کہا، اب بھی روگردانی کی۔ اس نے تیسری بار کہا تو بولے کہ ''عمر اس کو اس طرح ڈھیل دے رہا ہے کہ اس کو خبر تک نہیں ہوتی۔'' (ایضاً)

(۵) ایک بار رات کو مسجد میں گئے، ایک شخص سو رہا تھا۔ اندھیرے میں اس کو ان کے پاؤں کی ٹھوکر لگ گئی تو اس نے جھلا کر کہا کیا تم پاگل ہو؟ بولے نہیں۔ چپڑاسی نے اس گستاخی پر اس کو سزا دینی چاہی لیکن حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے روک دیا اور کہا کہ اس نے مجھ سے صرف یہ پوچھا تھا کہ تم پاگل ہو میں نے جواب دیا کہ نہیں۔'' (ایضاً)

(۶) ایک بار کسی شخص نے ان کو سخت بات کہی۔ بولے ''تو چاہتا ہے کہ حکومت کے اس غرور میں میں بھی تیرے ساتھ وہی سلوک کروں جو تو کل (قیامت کے دن) میرے ساتھ کرے گا۔'' یہ کہہ کر اس کو معاف کردیا۔ (ایضاً)

(۷) ایک بار وہ قیلولہ کرنے کے لئے اٹھے۔ ایک آدمی ہاتھ میں کاغذات کا پلندا لئے ہوئے بڑھا اور پلندے کو ان کی طرف پھینک دیا۔ انہوں نے مڑ کے دیکھا تو پلندا منہ پر جا کے گرا اور رخساروں پر چوٹ لگی اور گالوں سے خون جاری ہو گیا لیکن انہوں نے نہایت خاموشی کے ساتھ اس کی عرضی پڑھی اور اس کی حاجت کو پورا کیا۔ (ایضاً)

(۸) ایک بار ایک بچے نے ان کے کسی لڑکے کو مارا۔ لوگ اس کو ان کی بی بی فاطمہ کے پاس لے گئے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ دوسرے کمرے میں تھے۔ شور سنا تو کمرے سے نکل آئے۔ اس کے بعد ایک عورت آئی اور کہا کہ یہ میرا بچہ ہے اور یہ یتیم ہے۔ انہوں نے پوچھا کہ اس یتیم بچہ کو وظیفہ ملتا ہے؟ بولی نہیں۔ فرمایا کہ اس کا نام وظیفہ خوار بچوں میں لکھ لو۔ فاطمہ نے کہا کہ اگر میرے بچے کو دوبارہ مارے تو اس کے ساتھ خدا یہ سلوک کرے۔ بولے تم نے اس کو گھبرا دیا۔ (ایضاً)

(۹) ایک بار ایک شخص پر سخت برہم ہوئے اور اس کو برہنہ کر کے کوڑے لگوانا چاہے لیکن جب کوڑے لگانے کا وقت آیا تو بولے کہ اس کو رہا کر دو۔ اگر میں غصہ میں نہ ہوتا تو اس کو سزا دیتا۔ پھر یہ آیت پڑھی: وَالْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ'' (ایضاً)

(۱۰) مجاہدؒ کا بیان ہے کہ امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیزؒ نے مجھے طلب کر کے فرمایا لوگوں کا میرے متعلق کیا خیال ہے؟ میں نے کہا وہ کہتے ہیں کہ آپ پر جادو کیا گیا ہے۔ اس کے جواب میں کہا کہ ان کا خیال غلط ہے مجھ پر جادو نہیں کیا گیا بلکہ مجھے زہر دیا گیا ہے اور مجھے وہ وقت بھی یاد ہے جب زہر پلایا گیا ہے۔ اس کے بعد اپنے ایک غلام کو بلا کر کہا تجھ پر افسوس! زہر پلانے پر تجھے کس نے اکسایا اور آمادہ کیا؟ اس نے جواب دیا کہ زہر پلانے کے عوض مجھے ایک ہزار اشرفیاں دی گئیں اور ساتھ ہی میری

آزادی کا وعدہ بھی کیا گیا۔ آپ نے فرمایا وہ اشرفیاں لے آؤ چنانچہ جب وہ غلام ایک ہزار اشرفیاں لے آیا تو آپ نے اس سے وہ اشرفیاں لے کر سرکاری بیت المال میں جمع کرادیں اور اس زہر دینے والے غلام سے فرمایا کہ یہاں سے خاموشی سے اس طرح بھاگ کہ کوئی تجھے دیکھ نہ سکے۔ (تاریخ الخلفاء ص:۲۷۶)

امام اعظم حضرت امام ابوحنیفہؒ

(۱) اپنے وقت کا حلیم ترین انسان

حضرت امام ابوحنیفہؒ ایک روز ظہر کی نماز کے بعد گھر تشریف لے گئے۔ بالاخانے پر آپ کا گھر تھا۔ جاکر آرام کرنے کیلئے لیٹ گئے۔ اتنے میں کسی نے دروازے پر دستک دی۔ (آپ اندازہ کیجئے جو شخص ساری رات کا جاگا ہو اور سارا دن مصروف رہا ہو اس وقت اس کی کیا کیفیت ہوگی؟ ایسے میں کوئی آجائے تو کتنا ناگوار ہوتا ہے کہ یہ شخص بے وقت آگیا لیکن) امام صاحب اٹھے، زینے سے نیچے اترے، دروازہ کھولا تو دیکھا کہ ایک صاحب کھڑے ہیں۔ امام صاحب نے اس سے پوچھا کہ کیسے آنا ہوا؟ اس نے کہا کہ ایک مسئلہ معلوم کرنا ہے۔ دیکھئے اول تو امام صاحب جب مسائل بتانے کیلئے بیٹھے تھے وہاں آکر تو مسئلہ پوچھا نہیں اب بے وقت پریشان کرنے کیلئے آگئے لیکن امام صاحب نے اس کو کچھ نہیں کہا بلکہ فرمایا کہ اچھا بھائی کیا مسئلہ معلوم کرنا ہے؟ اس نے کہا میں کیا بتاؤں جب میں آرہا تھا تو اس وقت مجھے یاد تھا کہ کیا مسئلہ معلوم کرنا ہے لیکن اب میں بھول گیا، یاد نہیں رہا کہ کیا مسئلہ پوچھنا تھا۔ امام صاحب نے فرمایا کہ اچھا جب یاد آجائے تو پوچھ لینا۔ آپ نے اس کو برا بھلا نہیں کہا، نہ اس کو ڈانٹا ڈپٹا بلکہ خاموشی سے واپس اوپر چلے گئے۔

ابھی جاکر بستر پر لیٹے ہی تھے کہ دوبارہ دروازہ پر دستک ہوئی، آپ پھر اٹھ کر نیچے تشریف لائے اور دروازہ کھولا تو دیکھا کہ وہی شخص کھڑا ہے۔ آپ نے پوچھا

کیا بات ہے؟ اس نے کہا کہ ابھی تک تو یاد تھا مگر جب آپ آدھی سیڑھی تک پہنچے تو میں وہ مسئلہ بھول گیا۔ اگر ایک عام آدمی ہوتا تو اس وقت اس کے اشتعال کا کیا عالم ہوتا؟ مگر امام صاحب اپنے نفس کو مٹا چکے تھے۔ امام صاحب نے فرمایا اچھا بھائی! جب یاد آجائے تو پوچھ لینا۔ یہ کہہ کر آپ واپس چلے گئے اور جا کر بستر پر لیٹ گئے۔ ابھی لیٹے ہی تھے کہ تیسری بار پھر دروازے پر دستک ہوئی۔ آپ نیچے تشریف لائے، دروازہ کھولا تو دیکھا کہ وہی شخص کھڑا ہے۔ اس نے کہا کہ حضرت وہ مسئلہ یاد آ گیا۔ امام صاحب نے پوچھا کہ کیا مسئلہ ہے؟ اس نے کہا کہ یہ مسئلہ معلوم کرنا ہے کہ انسان کی نجاست (پاخانہ) کا ذائقہ کڑوا ہوتا ہے یا میٹھا ہوتا ہے؟ (العیاذ باللہ یہ بھی کوئی مسئلہ ہے) اگر کوئی دوسرا آدمی ہوتا اور وہ اب تک ضبط بھی کر رہا ہوتا تو اب اس سوال کے بعد تو اس کے ضبط کا پیمانہ لبریز ہو جاتا لیکن امام صاحب نے بہت اطمینان سے جواب دیا کہ اگر انسان کی نجاست تازہ ہو تو اس میں کچھ مٹھاس ہوتی ہے اور اگر سوکھ جائے تو کڑواہٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ پھر وہ شخص کہنے لگا کہ کیا آپ نے چکھ کر دیکھا ہے؟ (العیاذ باللہ) حضرت امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ ہر چیز کا علم چکھ کر حاصل نہیں کیا جاتا بلکہ بعض چیزوں کا علم عقل سے بھی حاصل کیا جاتا ہے اور عقل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تازہ نجاست پر مکھی بیٹھتی ہے خشک پر نہیں بیٹھتی۔ اس سے پتہ چلا کہ دونوں میں فرق ہے ورنہ مکھی دونوں پر بیٹھتی۔

جب امام صاحب نے یہ جواب دے دیا تو اس شخص نے کہا امام صاحب! میں آپ کے سامنے ہاتھ جوڑتا ہوں، مجھے معاف کیجئے گا۔ میں نے آپ کو بہت ستایا لیکن آج آپ نے مجھے ہرا دیا۔ امام صاحب نے فرمایا میں نے کیسے ہرا دیا؟ اس شخص نے کہا کہ ایک دوست سے میری بحث ہو رہی تھی میرا کہنا تھا کہ حضرت سفیان ثوریؒ علماء کے اندر سب سے زیادہ بردبار ہیں اور وہ غصہ نہ کرنے والے بزرگ ہیں اور میرے دوست کا یہ کہنا تھا کہ سب سے بردبار اور غصہ نہ کرنے والے بزرگ امام ابو حنیفہؒ ہیں

اور ہم دونوں کے درمیان بحث ہوگئی اور اب ہم نے جانچنے کیلئے یہ طریقہ سوچا تھا کہ میں اس وقت آپ کے گھر پر آؤں جو آپ کے آرام کا وقت ہوتا ہے اور اس طرح دو تین مرتبہ آپ کو اوپر نیچے دوڑاؤں اور پھر آپ سے ایسا سوال کروں اور یہ دیکھوں کہ آپ غصہ ہوتے ہیں یا نہیں؟ میں نے کہا کہ اگر غصہ ہوگئے تو میں جیت جاؤں گا اور اگر غصہ نہ ہوئے تو تم جیت گئے لیکن آج آپ نے مجھے ہرا دیا اور واقعہ یہ ہے کہ میں نے اس روئے زمین پر ایسا حلیم انسان جس کو غصہ چھو کر بھی نہ گزرا ہو آپ کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں دیکھا۔

اس سے اندازہ لگایئے کہ آپ کا کیا مقام تھا۔ اس پر ملائکہ کو رشک نہ آئے تو کس پر آئے۔ انہوں نے اپنے نفس کو بالکل ہی مٹا دیا تھا۔

(اصلاحی خطبات ج:۸ ص:۲۷۲،۲۷۴)

(۲) حاسدین کا جواب

جو شخصیت جس قدر با کمال اور مقبول عند اللہ ہوتی ہے اسی تناسب سے اس کے حاسدوں کی تعداد بھی زیادہ ہوتی ہے۔ جو درخت پھل دار ہوتا ہے پتھر بھی اسے مارے جاتے ہیں۔ ''لا یرمی شجر الا ذو ثمر'' خود امام صاحب کی زندگی میں جب معاندین وحاسدین کی طرف سے آپ کو رنج پہنچتا تو یہ شعر پڑھا کرتے۔

اِن یَحسُدُونِی فَاِنِّی غَیرُ لَائِمِهِم   قَبلِی مِنَ النَّاسِ أَهلِ الفَضلِ قَد حُسِدُوا
فَدَامَ لِی وَلَهُم مَا بِی وَمَا بِهِم   وَمَاتَ اَکثَرُنَا غَیظاً بِمَا یَجِد

ترجمہ: اگر لوگ مجھ پر حسد کرتے ہیں تو کریں میں ان کو ملامت نہیں کروں گا کیونکہ اہلِ فضل پر مجھ سے پہلے بھی لوگ حسد کرتے آئے ہیں۔ میرا اور ان کا یہی شیوہ رہا ہے وہ اپنے حال پر رہیں اور میں اپنے حال پر اور ہم سے اکثر لوگ حسد کر کے مر گئے ہیں۔

(''عقود الجمان'' ص:۳۹۸ و تاریخ بغداد ۱۳/۳۶۷)

(۳) بردباری اور فکر آخرت کا ایک واقعہ

امام اعظم کے صبر وتحمل، بردباری اور فکر آخرت کا یہ عالم تھا کہ ایک موقع پر کسی خارجی نے امام صاحب کو برا بھلا کہا، غلیظ گالیاں دیں اور مبتدع اور زندیق تک کہا۔ امام صاحب نے جواب میں ارشاد فرمایا غفر اللہ لک ھو یعلم منی خلاف ما تقول۔ اللہ تعالیٰ تجھے معاف فرمائے تو جو کچھ کہہ رہا ہے خدا جانتا ہے کہ وہ مجھ میں نہیں ہے۔

اس کے بعد امام اعظم ابوحنیفہؒ پر گریہ طاری ہوا اور فرمانے لگے میں بھی اللہ سے عفو کی امید رکھتا ہوں مجھے خدا کا عذاب رلاتا ہے۔ عذاب کے تصور سے گریہ بڑھ گیا اور روتے روتے غش کھا کر گر گئے۔ جب افاقہ ہوا تو فرمانے لگے بار الہا! جس نے بھی مجھ پر ایسی بات کہی جو مجھ میں نہیں تھی اس کو معاف فرما۔

(ایضاً ص:۴۔۱۱۱ بحوالہ ''عقود الجمان'' ص:۲۲۷، ۲۲۸ ومناقب موفق ص:۲۴۹)

(۴) گالیوں کا جواب اخلاق سے

حاسدوں کا گروہ گاہے گاہے شہر کے غنڈوں کو آمادہ کر کے امام اعظم کو بری بھلی باتیں بھی سنوایا کرتا تھا۔ تذکرہ نگاروں نے بیسیوں واقعات نقل کئے ہیں ہم یہاں بطور نمونہ ایک واقعہ نقل کرتے ہیں۔ لکھا ہے کہ انہی غنڈوں میں ایک شخص امام صاحب کو سرِ راہ برا بھلا اور سخت سست کہتے ہوئے پیچھا کئے جاتا تھا۔ مقصود یہ تھا کہ امام صاحب بھی اس کی یاوہ گوئیوں کے جواب میں کچھ کہیں مگر امام ابوحنیفہؒ اس کی خرافات اور مغلظ گالیاں سنتے، سر جھکائے گھر کی طرف بڑھے چلے جا رہے تھے۔ جب امام صاحب نے کچھ بھی جواب نہ دیا تو گالیاں بکنے والا کھسیانا سا ہو کر کہنے لگا کہ کیا مجھے کوئی کتا فرض کر لیا ہے کہ میں بھونک رہا ہوں اور تم جواب نہیں دیتے۔

بلکہ اسی قسم کا ایک اور واقعہ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جب امام صاحب اپنے

گھر کے دروازہ پر پہنچ گئے تب گالیاں بکنے والے سے خطاب کر کے فرمایا لو بھائی! اب تو میری حویلی آ گئی میں اندر چلا جاؤں گا۔ اگر جی نہ بھرا ہو تو میں ٹھہر جاتا ہوں تم اپنی بھڑاس اچھی طرح نکال لو۔

(ایضاً ص: ۱۲۸ بحوالہ ''عقود الجمان'' ص: ۲۹۱، ۲۹۲)

(۵) بے پناہ صبر و تحمل

کسی بد نصیب نے غیض و غضب اور شدتِ بغض و عداوت میں آ کر حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کو طمانچہ مارا تو حضرت امام اعظم نے حد درجہ تلطف و انکساری سے فرمایا بھائی! میں بھی تمہیں طمانچہ مار سکتا ہوں لیکن مارتا نہیں۔ میں خلیفہ سے تمہاری شکایت کر سکتا ہوں لیکن نہیں کرتا۔ سحر گاہی کے وقت تیرے ظلم سے خدا تعالیٰ کے آگے فریاد کر سکتا ہوں لیکن نہیں کرتا اور قیامت کے روز تمہارے ساتھ خصومت اور مقدمہ کر کے انصاف حاصل کر سکتا ہوں مگر یہ بھی نہیں کرتا بلکہ اگر مجھے قیامت کے روز رستگاری حاصل ہوئی اور میری سفارش قبول ہوئی تو تیرے بغیر جنت میں قدم بھی نہ رکھوں گا۔ (ایضاً ص: ۱۲۹ بحوالہ حدائق الحنفیہ)

(٦) صبر و تحمل کی انتہاء

عبد الرزاق بن ہمام کی روایت ہے۔ کہتے ہیں کہ میں نے امام اعظم سے بڑھ کر حلیم اور طبعاً بردبار نہیں دیکھا۔ ہوا یوں کہ ایک مرتبہ امام صاحب مسجد خیف میں تشریف فرما تھے، تلامذہ و معتقدین کا حلقہ قائم تھا، اتفاق سے میں بھی اسی محفل میں موجود تھا کہ بصرہ سے آئے ہوئے کسی صاحب نے کوئی مسئلہ دریافت کیا امام صاحب نے انہیں مفصل جواب دیا۔ سائل نے کہا کہ اس مسئلہ میں امام حسن بصریؒ نے یوں کہا ہے اور ان کی یہ رائے ہے۔ امام صاحب نے فرمایا: أَخْطَأَ الْحَسَنُ امام حسن سے غلطی ہوئی ہے۔ ابو حنیفہؒ کا یہ کہنا تھا کہ اسی حلقہ سے ایک شخص کھڑا ہوا بس نے منہ کو لپیٹ

رکھا تھا اور امام صاحب کو مخاطب کر کے کہنے لگا یا ابن الزانیة. اے بدکار عورت کے بچے۔آپ یہ کہتے ہیں کہ حسن نے غلطی کی؟ لوگوں نے اس کی یہ شنیع حرکت دیکھی تو مشتعل ہوئے بہت سوں کے خون کھولنے لگے اور بہت سوں نے آستینیں چڑھالیں۔ قریب تھا کہ اس کو یہیں اپنے کیئے کی بدترین سزا دے دیں مگر امام صاحب نے بڑی سکینت اور وقار سے سب کو خاموش کر دیا اور قدرے غور وتامل کے بعد فرمانے لگے:

نَعَمْ أَخْطَأَ الْحَسَنُ وَأَصَابَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ فِيمَا رَوَاهُ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ ۔جی ہاں! حسن سے غلطی ہوئی اور عبداللہ ابن مسعودؓ درست کہتے ہیں جس طرح کہ انہوں نے حضور اقدس ﷺ سے روایت نقل کی ہے۔ایسے مواقع پر جب کوئی بے تمیزی اور گستاخی سے پیش آتا اور گروہی وابستگی میں بغض وعداوت اور استہزاء وگستاخی کی انتہاء کو پہنچ جاتا تب بھی امام صاحب دعائیں دیتے، معاف کرتے اور نفع وخیر خواہی کے سراپا پیکر بن جاتے۔

(ایضاً ص:۱۲۹ بحوالہ عقود الجمان ص:۲۸۷ وابوزہرہ ص:۵۲)

(۷) زندیق کہنے والے کو جواب

یزید بن کمیت کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میں ابوحنیفہؒ کی خدمت میں حاضر تھا تو ایک شخص نے ان سے گستاخانہ گفتگو شروع کی۔امام صاحب تحمل سے جواب دیتے تھے لیکن وہ اور شوخ ہوتا جاتا تھا یہاں تک کہ اس نے امام کو زندیق کہہ دیا۔اس پر فرمایا کہ خدا تم کو بخشے وہ خوب جانتا ہے کہ میری نسبت تم نے جو لفظ کہا وہ صحیح نہیں ہے۔امام صاحب خود فرمایا کرتے تھے کہ میں نے کسی پر لعنت نہیں کی، کسی سے انتقام نہیں لیا، کسی مسلمان یا ذمی کو نہیں ستایا، کسی سے فریب اور بدعہدی نہیں کی۔

(سیرت النعمان مصنفہ علامہ شبلی نعمانی ص:۶۰)

(۸) خدا میری اور سفیان دونوں کی مغفرت کرے

امام سفیان ثوریؒ اور امام صاحب میں کچھ شکر رنجی تھی۔ ایک شخص نے امام صاحب سے آکر کہا کہ سفیان آپ کو برا کہہ رہے تھے۔ امام صاحب نے فرمایا کہ خدا میری اور سفیان دونوں کی مغفرت کرے۔ سچ یہ ہے کہ ابراہیم نخعی کے موجود ہوتے ہوئے بھی اگر سفیان دنیا سے اٹھ جاتے تو مسلمانوں کو سفیان کے مرنے کا ماتم کرنا پڑتا۔ (بحوالہ بالا)

(۹) ابوحنیفہ! تم نے جواب میں غلطی کی

ایک اور دن حلقۂ درس قائم تھا تو ایک نوعمر نے مسئلہ پوچھا۔ امام صاحب نے جواب دیا۔ اس نے کہا ابوحنیفہ! تم نے جواب میں غلطی کی۔ ابوالخطاب جرجانی بھی حلقہ میں شریک تھے۔ ان کو نہایت غصہ آیا اور حاضرین کو ملامت کی کہ تم لوگ بڑے بے حمیت ہو امام کی شان میں ایک لونڈا جو جی میں آتا ہے کہہ جاتا ہے تم کو ذرا جوش نہیں آتا۔ امام صاحب نے ابوالخطاب کی طرف خطاب کیا اور فرمایا کہ ان لوگوں پر کچھ الزام نہیں میں اس جگہ بیٹھا ہوں تو اسی لئے بیٹھا ہوں کہ لوگ آزادانہ میری رائے کی غلطیاں ثابت کریں اور میں تحمل کے ساتھ سنوں۔ (ایضاً ص:۶۱)

(۱۰) کیوں ہم نے تم کو ضائع تو نہیں کیا؟

محلہ میں ایک موچی رہتا تھا جو نہایت رنگین طبع اور خوش مزاج تھا۔ اس کا معمول تھا کہ دن بھر مزدوری کرتا، شام کو بازار جاکر گوشت اور شراب مول لاتا، کچھ رات گئے دوست احباب جمع ہوتے، خود سیخ پر کباب لگاتا اور یاروں کو کھلاتا۔ ساتھ ہی شراب کا دور چلتا اور مزے میں آکر یہ شعر گاتا۔

أَضَاعُوْنِي وَاَیَّ فَتًی اَضَاعُوا لِیَوْمِ کَرِیْهَةٍ وَسَدِّ ثَغْرِ

یعنی لوگوں نے مجھ کو ہاتھ سے کھودیا اور کیسے بڑے شخص کو کھویا جو لڑائی اور

رخنہ بندی کے دن کام آتا۔ امام صاحب ذکر و شغل کی وجہ سے رات کو سوتے کم تھے، اس کی نغمہ سنجیاں سنتے اور فرطِ اخلاق کی وجہ سے کچھ تعارض نہ کرتے۔ ایک رات کوتوال شہر ادھر آنکلا اور اس غریب کو گرفتار کر کے قید خانہ میں بھیج دیا۔ صبح کو امام صاحب نے دوستوں سے تذکرہ کیا کہ رات ہمارے ہمسایہ کی آواز نہیں آئی؟ لوگوں نے رات کا ماجرا بیان کیا۔ اسی وقت سواری طلب کی، دربار کے کپڑے پہنے اور دار الامارۃ کا قصد کیا۔ یہ عباسیہ کا عہدِ حکومت تھا اور عیسیٰ بن موسیٰ جو کہ خلیفہ منصور کا برادر زادہ اور تمام خاندان میں عقل وتدبیر اور شجاعت ودلیری کے لحاظ سے ممتاز تھا، کوفہ کا گورنر تھا۔ لوگوں نے اطلاع کی کہ امام ابوحنیفہ آپ سے ملنے آرہے ہیں۔ اس نے درباریوں کو استقبال کیلئے بھیجا اور حکم دیا کہ دار الامارۃ کے صحن تک امام صاحب کو سواری پر لائیں۔ سواری قریب آئی تو تعظیم کو اٹھا اور نہایت ادب سے لا کر بٹھایا۔ پھر عرض کیا کہ آپ نے کیوں تکلیف کی مجھ کو بلا بھیجتے میں خود حاضر ہوتا۔ امام صاحب نے فرمایا ہمارے محلّہ میں ایک موچی رہتا ہے کوتوال نے اس کو گرفتار کر لیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ رہا کر دیا جائے۔ عیسیٰ نے اسی وقت داروغہ جیل کو حکم بھیجا اور وہ رہا کر دیا گیا۔ امام صاحب عیسیٰ سے رخصت ہو کر چلے تو موچی بھی ہم رکاب ہوا۔ امام صاحب اس کی طرف مخاطب ہوئے کہ ''کیوں ہم نے تم کو ضائع تو نہیں کیا'' یہ اس شعر کی طرف اشارہ تھا جس کو وہ ہمیشہ پڑھا کرتا تھا ''أَضَاعُوْنِی وَاَیَّ فَتًی اَضَاعُوا'' اس نے عرض کیا ''نہیں آپ نے ہمسائیگی کا حق ادا کیا ہے۔'' اس کے بعد اس نے عیش پرستی سے توبہ کی اور امام صاحب کے حلقۂ درس میں بیٹھنے لگا۔ رفتہ رفتہ علمِ فقہ میں مہارت حاصل کی اور فقیہ کے لقب سے ممتاز ہوا۔

(ایضاً ص: ۶۱، ۶۲ بحوالہ کتاب الاغانی وابن خلقان وعقود الجمان)

(۱۱) تم نے مجھ پر بڑا احسان کیا

ایک شخص نے کھڑے ہو کر بازار میں امام صاحب کی شان میں گستاخی کی اور

گالیاں دیں۔ حضرت امام اعظم نے غصہ کو ضبط فرمایا اور اس کو کچھ نہیں کہا اور گھر پر واپس آنے کے بعد ایک خوان میں کافی درہم و دینار رکھ کر اس شخص کے گھر تشریف لے گئے، دروازے پر دستک دی۔ یہ شخص باہر آیا تو اشرفیوں کا یہ خوان اس کے سامنے یہ کہتے ہوئے پیش فرمایا کہ آج تم نے مجھ پر بڑا احسان کیا اپنی نیکیاں مجھے دے دیں میں اس احسان کا بدلہ ادا کرنے کیلئے یہ تحفہ پیش کر رہا ہوں۔ امامؒ کے اس معاملہ کا اس کے قلب پر اثر ہونا ہی تھا آئندہ کو اس بری خصلت سے ہمیشہ کیلئے تائب ہو گیا۔ حضرت امامؒ سے معافی مانگی اور آپ کی خدمت اور صحبت میں علم حاصل کرنے لگا یہاں تک کہ آپ کے شاگردوں میں ایک بڑے عالم کی حیثیت اختیار کر لی۔

(تفسیر معارف القرآن ج:۲ ص:۱۹۰)

حضرت امام ابو یوسفؒ

امام ابو یوسفؒ کی وسعتِ قلبی کا ایک دلچسپ قصہ

اسی سلسلہ کا ایک دوسرا دلچسپ قصہ علامہ زاہد الکوثریؒ نے اپنے رسالہ میں نقل کیا ہے۔ لکھتے ہیں ابراہیم بن الجراح کہا کرتے تھے کہ جب میں نے تحصیل علم کی غرض سے بصرہ جانے کا ارادہ کیا تو امام ابو یوسفؒ کی خدمت میں مشورہ کیلئے حاضر ہوا کہ بصرہ میں جا کر میں کس کے حلقۂ درس میں شریک ہو کر استفادہ کروں تو امام ابو یوسفؒ بڑی شفقت سے پیش آئے اور ارشاد فرمایا حماد بن زید بہت بڑے عالم ہیں ان کا تلمذ اختیار کر لو۔

چنانچہ میں بصرہ آیا اور حماد بن زیدؒ کی مجلسِ درس میں باقاعدگی سے حاضری دینے لگا مگر خدا کی قسم مجھے یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوتی تھی کہ جب بھی حماد کی مجلس میں امام ابو یوسفؒ کا ذکر ہوتا تھا تو نہایت ہی ناشائستہ اور اہانت آمیز الفاظ کے ساتھ۔ میں دل ہی دل میں کڑھا کرتا تھا۔ آخر میں کر بھی کیا سکتا تھا؟

ایک روز حسبِ معمول میں حماد کے درس میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک عورت حاضر ہوئی اور اس نے حماد سے استدعا کی کہ مجھے ایک دستاویز لکھ دیں۔ حماد بن زید جو ہمہ تن تدریس اور افادۂ علم میں مشغول تھے عورت کی یہ استدعا سن کر کشمکش میں پڑ گئے۔ نہ تو اس عورت کو انکار کر کے اس کا دل توڑنا چاہتے تھے اور نہ طلبہٴ حدیث سے جو حاضر مجلس تھے، بے توجہ ہونا چاہتے تھے۔ ابراہیم بن الجراح کہتے ہیں کہ میں نے حماد کی اس ذہنی کشمکش کا اندازہ کر لیا اور ان کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت! عورت سے کہیے کہ کاغذ مجھے دے دے میں اسے لکھ دیتا ہوں اور آپ اپنے درس میں مشغول رہیے۔ عورت نے کاغذ مجھے دیدیا اور میں دستاویز لکھنے لگا۔ مجھے مصروف دیکھ کر حماد درسِ حدیث سے رک گئے کہ میں محروم نہ رہ جاؤں۔ میں نے عرض کیا حضرت! درس روکنے کی ضرورت نہیں، میں اپنے کام میں مشغول ہوں آپ اپنا کام جاری رکھئے چنانچہ انہوں نے پھر درس حدیث شروع کیا۔ جب میں نے دستاویز لکھ لی اور ملاحظہ کیلئے حضرت حماد کی خدمت میں پیش کر دی تو انہوں نے اسے پڑھا، بہت پسند کیا اور خوش ہوئے اور مجھ سے پوچھا ابراہیم! تم نے یہ علم کس سے سیکھا ہے؟ میں نے عرض کیا حضرت! اس شخص سے سیکھا ہے جس کا ذکر آپ کی مجلس میں ہمیشہ برے الفاظ میں ہوتا ہے۔ میں ان سے رخصت ہو کر جب بصرہ تحصیلِ علم کی غرض سے آنے لگا تو میں ان کی خدمت میں مشورہ کیلئے حاضر ہوا کہ میں بصرہ جا کر کس کے حلقۂ درس میں شریک ہو کر استفادۂ علم کروں اور بصرہ میں میں کس کو اپنا استاذِ علم بناؤں تو انہوں نے مجھے تاکید کی کہ آپ کے سوا کسی اور کے دامن علم سے وابستہ نہ ہوں۔ حماد یہ سن کر ششدر رہ گئے اور مجھ سے پوچھا لیکن کون ہے وہ شخص؟ میں نے جواب دیا وہ ابو یوسف ہے۔ نام سنتے ہی حماد پر ندامت کے آثار طاری ہوئے اور اس کے بعد انہوں نے جب بھی امام ابو یوسفؒ کا ذکر کیا تو ذکر خیر کے سوا کچھ نہ تھا۔ (حسن التقاضی ص: ۵۱)

اس واقعہ میں عبرت وموعظت، ادب واحترام، اساتذہ سے تعلق وطلبِ علم

اور اجتماعی حقوق کو ملحوظ رکھنے کے کئی مناظر سامنے آجاتے ہیں

(۱) یہ کہ اہل روایت کیلئے امام ابو یوسفؒ کا دل بے حد وسیع تھا۔

(۲) یہ کہ ابراہیم بن الجراح امام ابو یوسف کے بھی شاگرد تھے اور حماد بن زید کے بھی تاہم حماد سے اپنے استاذ امام ابو یوسف کی توہین برداشت نہ کر سکے مگر ان کے ازالہ توہین کیلئے اپنے استاذ حماد کی توہین بھی نہیں کی بلکہ منا۔ب موقع کے منتظر رہے۔ جب موقعہ مہیا ہوا تو پھر بغیر کسی تأمل اور تأخیر کے تلافی کر کے رہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اجتماعی اور معاشرتی امور میں اگر موعظت وحکمت سے کام لیا جائے تو مخالف کو بھی کسی طرح موافق بنایا جاسکتا ہے۔

(۳) اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اس زمانہ میں بھی ائمہ احناف کے متعلق بڑے بڑوں کو غلط فہمیوں اور غلط بیانیوں کی وجہ سوءِ ظن ہوا تھا اور ائمہ حناف کی مخالفت کا یہ سلسلہ چہار طرف پھیلا ہوا تھا۔

(علماء احناف کے حیرت انگیز واقعات ص: ۹۵، ۹۷)

امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ

امام محمدؒ کا حاسدین کو جواب علیٰ اسلوب الحکیم

امام محمدؒ کو جس عظیم کام اور منصب سے اللہ تعالیٰ نے نوازا تھا تو لازم تھا کہ ان کے حاسدین ومخالفین بھی اسی نسبت سے موجود ہوں اور واقعہ بھی یہی ہے کہ ’’لا یرمی شجر الا ذو ثمر‘‘ بے ثمر درخت کو کون پتھر مارتا ہے۔ جس درخت پر پھل ہوتا ہے گذرنے والے اس کو پتھر مار دیتے ہیں مگر پتھر کے جواب میں پتھر آئے ایسا نہیں ہوتا پھل ہی آتا ہے۔ اگر بدقسمتی سے ٹہنیوں اور شاخوں میں پہلے سے اٹکا ہوا کوئی پتھر بھی گر آئے اور مارنے والے کو لگ بھی جائے تو اس میں شجر کا کوئی ارادہ نہیں ہوتا قصور تو

بعید بات ہے۔ اہلِ علم اور اربابِ فضل وکمال بھی شجر سایہ دار وثمر دار ہیں۔ ان سے خیر کی ہی توقع ہونی چاہئے اور وہ خیر کی تقسیم واشاعت کیلئے خود کو وقف رکھتے ہیں۔

حضرت امام محمدؒ دولت ودنیا، جاہ ومنصب سے کوسوں دور بھاگتے تھے۔ اللہ نے انہیں علم وفضل اور فقہی مہارت وکمال سے نوازا تھا۔ حاسدین ومبغضین اسے بھی برداشت نہیں کرسکتے تھے۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ کی طرح امام محمدؒ کے خلاف بھی یار لوگوں نے زبانِ طعن وتشنیع دراز کر رکھی تھی۔ جب اس قسم کی باتیں اور ہفوات امام محمدؒ تک پہنچتیں کہ لوگ امام اعظم ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب (قاضی ابویوسف اور امام محمدؒ) کا ذکر برائی اور تحقیر سے کرتے ہیں تو آپ بھی اپنے استاذ کی سنت ادا کرتے ہوئے ایک شعر گنگنا لیا کرتے تھے، یہی دل کی تسلی اور دشمن کا جواب ہوا کرتا تھا۔

مَحْسُوْدُوْنَ وَشَرُّ النَّاسِ مَنْزِلَةً　　مَنْ عَاشَ فِي النَّاسِ غَيْرَ مَحْسُوْدِ

(مناقب ابوحنیفہ واصحابہ للصیمری ص:۶۵)

ترجمہ: ہم وہ لوگ ہیں کہ ہم پر حسد کیا جاتا ہے اور وہ لوگ بھی کس قدر بدنصیب ہیں کہ وہ محسود نہیں (بلکہ حاسد) ہوتے ہیں اور مرتبہ کے لحاظ سے سب سے کمبخت وہ شخص ہے جس پر کوئی حسد نہ کرے۔

مخالفین اور مبغضین کے طعن وتشنیع اور خرافات کے سننے کے بعد طبعاً انسان میں اشتعال پیدا ہوتا ہے اور انتقام کے جذبات ابھرتے ہیں مگر امام محمدؒ نہ تو جذبات پر آمادہ ہوتے اور نہ جذبات میں آکر مشتعل ہوتے تھے بلکہ ایسا میٹھا، پیارا اور جواب علی اسلوب الحکیم اختیار کرتے کہ غماض کو بھی اور مخالف کو بھی یارائے دم زدن باقی نہ رہتا۔

(علماء احناف کے حیرت انگیز واقعات ص:۲۳۸)

حضرت بایزید بسطامیؒ

حضرت بایزید بسطامی اپنے مریدین کے ساتھ سفر کررہے تھے، اوپر سے کسی

نے کوڑا پھینک دیا۔ آپ نے فرمایا الحمد للہ۔ لوگوں نے کہا یہ کیا موقع ہے الحمد للہ کا؟ فرمایا جو سر کہ گناہوں کے سبب آگ برسائے جانے کے قابل تھا اس پر اگر راکھ برسائی گئی تو کیا یہ شکر کا موقع نہیں؟

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

(روح کی بیماریاں اور اس کا علاج ص:۱۱۰)

سلطان نور الدین زنگیؒ

عدل وانصاف کا یہ حال تھا کہ اپنی وسیع سلطنت میں انہوں نے کوئی محصول اور چنگی باقی نہیں رکھی۔ مصر وشام، جزیرہ موصل سب جگہ اس کو موقوف کر دیا۔ شریعت کا بڑا ادب کرتے تھے اور اس کے احکام کی تعمیل کرتے۔ ایک شخص نے ان کو عدالت میں طلب کیا۔ وہ حاضر ہو گئے اور قاضی صاحب کو کہلا بھیجا کہ میں عدالت میں حاضر ہو رہا ہوں میرے ساتھ کوئی امتیازی سلوک نہ کیا جائے۔ مقدمہ میں ان کو کامیابی ہوئی تو انہوں نے اپنا حق معاف کر دیا اور کہا کہ میرا پہلے سے یہی ارادہ تھا لیکن مجھے اندیشہ تھا کہ شاید عدالت میں حاضر نہ ہونے کا سبب میرا تکبر ہو۔ اس لئے میں حاضر ہو گیا اور میں اپنا حق معاف کرتا ہوں۔ (تاریخ دعوت وعزیمت ص:۲۵۸ ج:۱)

سلطان صلاح الدین ایوبیؒ

(۱) بڑے بردبار اور بڑے متحمل مزاج تھے۔ مؤرخ ابن خلکان لکھتے ہیں کہ اپنے رفقاء اور خدام کی غلطیوں اور لغزشوں سے چشم پوشی کرتے۔ بعض مرتبہ کوئی ایسی بات سنتے جس سے ان کو ناگواری ہوتی لیکن وہ اس کو محسوس بھی نہ ہونے دیتے اور نہ اپنے طرزِ عمل سے کوئی فرق آنے دیتے۔ ایک مرتبہ پانی مانگا۔ پانی نہیں آیا۔ پھر مانگا پھر نہیں ملا یہاں تک کہ ایک ہی مجلس میں پانچ مرتبہ نوبت آئی۔ آخر میں کہا کہ دوستو! میں تو پیاس سے مرا جا رہا ہوں۔ اتنے میں پانی آیا۔ سلطان نے پی لیا اور اس تاخیر پر

کچھ نہ کہا۔

(تاریخ ابن خلکان ترجمہ صلاح الدین ایوبیؒ، تاریخ دعوت وعزیمت ص: ۲۷۷ ج:۱)

(۲) ایک مرتبہ سخت بیماری سے اٹھے اور غسلِ صحت کیلئے حمام میں گئے۔ پانی بہت گرم تھا۔ ٹھنڈا پانی مانگا خادم نے پانی حاضر کیا۔ پانی کچھ چھلک کر ان پر گرا ضعف کی وجہ سے ان کو تکلیف ہوئی۔ پھر ٹھنڈا پانی مانگا اس مرتبہ ٹھنڈے پانی کا پورا طشت گر گیا اور سارا پانی ان پر آ گیا اور وہ مرتے مرتے بچے لیکن صرف اتنا کہا کہ مجھے مارنے کا ارادہ ہو تو کہہ دو۔ خادم نے معذرت کی اور وہ خاموش ہو گئے اور کوئی باز پرس نہیں کی۔ (ایضاً ص: ۲۷۸)

حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ

مزاج میں حلم و بردباری بہت تھی۔ ایک روز خانقاہ میں تشریف فرما تھے کہ دلق پوش قلندروں کی ایک جماعت پہنچی اور ان سے مالی مدد کی خواستگار ہوئی۔ انہوں نے اس جماعت سے بے زاری کا اظہار فرمایا۔ اس پر قلندروں نے گستاخی شروع کر دی اور اینٹ، پتھر سے ان کو مارنے لگے۔ حضرت شیخ نے خادم سے فرمایا کہ خانقاہ کا دروازہ بند کر دو۔ جب دروازہ بند ہو گیا تو قلندروں نے دروازہ پر پتھر مارنا شروع کئے۔ حضرت شیخ نے کچھ تأمل کے بعد خادم سے فرمایا دروازہ کھول دو۔ میں اس جگہ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی قدس سرہ کا بٹھایا ہوا ہوں خود سے نہیں بیٹھا ہوں۔ خادم نے دروازہ کھول دیا، اس وقت قلندر نادم ہوئے اور اپنے قصور کی معافی چاہی۔

(بزرگان دین ص: ۱۲۴)

سلطان المشائخ حضرت نظام الاولیاءؒ

(۱) دشمن نوازی

اخلاص وفنائیت اور بے نفسی کے اعلیٰ مقام پر پہنچ کر سالک کے دل سے رنج وشکایت، انتقام کا جذبہ اور ایذاء کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے۔ وہ نہ صرف آشنا پرور دوست نواز ہو جاتا ہے بلکہ دشمن کا احسان منداور دشمن کے حق میں دعا گو بن جاتا ہے گویا دشمنی کوئی احسان ہے۔کوئی نادر تحفہ اور زخمِ دل کا مرہم ہے جس پر بے اختیار دل سے دعا نکلتی ہے اور منہ سے پھول جھڑتے ہیں۔ امیر علاء الدین سنجری راوی ہیں کہ حضرت نے ایک مرتبہ یہ مصرعہ پڑھا۔

ہر کہ مارا رنج دادہ راحتش بسیار باد

(جو ہم کو رنج دے خدا اس کو بہت راحت پہنچائے)

اس کے بعد یہ شعر ارشاد ہوا۔

ہر کہ او خارے نہد در راہ ما از دشمنی

ہر گلے کز باغ عمرش بشگفد بے خار باد

(جو ہمارے راستے میں دشمنی کی بنا پر کانٹے بچھائے اللہ کرے
اس کے گلشن حیات میں جو پھول کھلے بے خار رہے)

سیر العارفین میں ہے کہ خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی فرماتے تھے کہ حصار اندر پت میں (جو موضع غیاث پور کے قریب ہے) چھجو نامی ایک شخص تھا جس کو بے وجہ حضرت سے دشمنی تھی۔ برا بھلا بھی کہتا تھا اور آپ کو تکلیف وایذاء پہنچانے کی فکر میں رہتا تھا۔اس کا انتقال ہو گیا۔حضرت شیخ نے اس کے جنازہ میں شرکت کی، دفن کے بعد اس کے سرہانے پر دو رکعت نماز پڑھی اور دعا فرمائی کہ خدایا! اس شخص نے جو کچھ کہا ہو یا برا سوچا ہو میں نے اس کو بخش دیا تو میری وجہ سے اس کو سزا نہ دینا۔

ایک مرتبہ حاضرین میں سے ایک صاحب نے ذکر کیا کہ بعض آدمی جناب

والا کو منبر پر اور دوسرے موقعوں پر برا بھلا کہتے ہیں ہم سے سنا نہیں جاتا۔ حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ میں نے سب کو معاف کیا تم بھی معاف کرو اور ایسے آدمی سے جھگڑا نہ کرو اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ اگر دو آدمیوں کے درمیان رنجش ہو تو اس رنجش کو دور کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی اپنے باطن کو عداوت سے خالی کرے، دوسرے کی طرف سے بھی تکلیف کم ہو جائے گی۔

فرمایا کہ آخر لوگ برا بھلا کہنے سے کیوں رنجیدہ ہوتے ہیں۔ مشہور یہ ہے کہ ''مال صوفی سبیل است وخون او مباح'' (صوفی کا مال وقف اور اس کا خون روا) جب معاملہ یہ ہے تو کسی برا بھلا کہنے والے سے کیوں جھگڑا کیا جائے۔

(فوائد الفواد ص:۹۵)

ایک دن فرمایا کہ دنیا کا عام اصول تو یہ ہے کہ نیکوں کے ساتھ نیکی اور بدوں کے ساتھ بدی کی جائے لیکن مردانِ خدا کا اصول یہ ہے کہ بدی کا بدلہ بھی نیکی سے دیا جائے۔ فرمایا۔

یکے خار نہد وتو خار نہی۔ ایں خار خار باشد...... میان مردمان ہمچنیں است بانغزان نغزی وباکوزان کوزی، اما میان درویشاں ہمچنیں است کہ بانغزان نغزی باکوزاں ہم نغزی۔

(ایضاً ص:۸۷)

اگر کوئی کانٹا رکھے اور تم بھی کانٹا رکھ دو تو کانٹے ہی کانٹے جمع ہو جائیں گے۔ لوگوں کے درمیان عام اصول یہ ہے کہ سیدھوں کے ساتھ سیدھا اور ٹیڑھوں کے ساتھ ٹیڑھا لیکن درویشوں کا اصول یہ ہے کہ سیدھوں کے ساتھ سیدھا اور ٹیڑھوں کے ساتھ بھی سیدھا۔

حضرت خواجہ صاحب کا اس بارے میں معیار اتنا بلند تھا کہ برا کہنا تو بڑی چیز

ہے وہ برا چاہنے کو بھی روا نہیں رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ فرمایا:

بد گفتن اندک است امابد خواستن ازاں بدتر است۔

برا کہنا بھی برا ہے لیکن برا چاہنا اس سے کہیں برا ہے۔

جب یہ معاملہ آپ کا سب کے ساتھ تھا تو اپنے شیخ کے عزیزوں اور تعلق والوں کے ساتھ کیوں نہ ہوتا جن کے احسان سے آپ کا رُواں رُواں تر تھا۔

سیر العارفین میں ہے کہ حضرت شیخ نجیب الدین متوکل کے نواسے خواجہ عطاء اللہ ایک بے پرواہ اور بے باک قسم کے آدمی تھے۔ ایک دن قلم دوات لے کر آئے اور کہا کہ میرے لئے فلاں سردار کو ایک خط لکھ دیجئے تا کہ مجھے وہ کوئی اچھی رقم دے دے۔ شیخ نے فرمایا کہ نہ میری اس سردار سے کبھی ملاقات ہوئی ہے، نہ وہ کبھی یہاں آیا ہے۔ جس شخص سے جان پہچان نہ ہو اس کو رقعہ کس طرح لکھا جائے؟ صاحبزادہ کو غصہ آگیا اور انہوں نے سخت سست کہنا شروع کیا کہ ہمارے ہی نانا کے مرید ہو اور ہمارے خاندان کا صدقہ پایا ہے۔ اب ایسے احسان فراموش ہو گئے ہو کہ میرے لئے ایک رقعہ تم سے نہیں لکھا جاتا۔ یہ تم نے کیا پیری مریدی کا جال بچھایا ہے اور خلق خدا کو دھوکہ دے رہے ہو؟ یہ کہہ کر دوات زمین پر پٹخ دی اور اٹھ کر چلے۔ حضرتؒ نے دامن پکڑ لیا اور فرمایا کہ ناراض ہو کر کیوں جا رہے ہو، خوش ہو کر جاؤ۔ اس کے بعد ایک رقم اس کے سامنے رکھی اور رضا مند کر کے رخصت کیا۔

(تاریخ دعوت وعزیمت ج:۳ ص:۱۰۵، ۱۰۷)

(۲) میری پگڑی پر پاؤں رکھ کر اندر تشریف لائیں

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ اولیاء اللہ میں اونچا مقام رکھتے ہیں۔ ان کے زمانے میں ایک بڑے عالم اور فقیہ مولانا حکیم ضیاء الدین صاحبؒ موجود تھے۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ بحیثیت صوفی کے مشہور تھے اور یہ بڑے عالم مفتی اور فقیہ کی حیثیت سے مشہور تھے اور حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ سماع کو جائز کہتے تھے۔ بہت سے صوفیاء کے ہاں سماع کا رواج تھا۔ سماع کا مطلب ہے کہ موسیقی کے آلات کے بغیر حمد ونعت وغیرہ کے عمدہ مضامین کے اشعار ترنم سے یا بغیر ترنم کے محض خوش آوازی سے کسی کا پڑھنا اور دوسروں کا اسے خوش عقیدگی اور محبت سے سننا۔ بعض صوفیاء اس کی اجازت دیتے تھے اور بہت سے فقہاء اور مفتی حضرات اس سماع کو بھی جائز نہیں کہتے تھے بلکہ بدعت قرار دیتے تھے چنانچہ ان کے زمانے کے مولانا حکیم ضیاء الدین صاحب نے بھی سماع کے ناجائز ہونے کا فتوی دیا تھا اور حضرت نظام الدین اولیاءؒ سماع سنتے تھے۔ جب مولانا حکیم ضیاء الدین صاحبؒ کی وفات کا وقت قریب آیا تو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ ان کی عیادت اور مزاج پرسی کیلئے تشریف لے گئے اور یہ اطلاع کرائی کہ جا کر حکیم ضیاء الدین صاحب سے عرض کیا جائے کہ نظام الدین مزاج پرسی کیلئے حاضر ہوا ہے۔ اندر سے حکیم ضیاء الدین صاحب نے جواب بھجوایا کہ ان کو باہر روک دیں میں مرنے کے وقت کسی بدعتی کی صورت دیکھنا نہیں چاہتا۔ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے جواب بھجوایا کہ ان سے عرض کردو کہ بدعتی بدعت سے توبہ کرنے کیلئے حاضر ہوا ہے۔ اسی وقت مولانا حکیم ضیاء الدین صاحب نے اپنی پگڑی بھیجی کہ اسے بچھا کر خواجہ صاحب اس کے اوپر قدم رکھتے ہوئے آئیں اور جوتے سے قدم رکھیں، ننگے پاؤں نہ آئیں۔ خواجہ صاحب نے پگڑی کو اٹھا کر سر پر رکھا کہ یہ میرے لئے دستار فضیلت ہے۔ اسی شان سے اندر تشریف لے گئے، آ کر مصافحہ کیا اور بیٹھ گئے اور حکیم ضیاء الدین صاحبؒ کی طرف متوجہ ہوئے۔ پھر خواجہ صاحب کی موجودگی میں حکیم ضیاء الدین صاحب کی وفات کا وقت آ گیا۔ خواجہ صاحب نے فرمایا کہ الحمد للہ حکیم ضیاء الدین صاحب کو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالیا ہے کہ ترقی مدارج کے ساتھ ان کا انتقال ہوا۔ آپ نے دیکھا کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے یہ حالت تھی کہ صورت دیکھنا گوارہ نہیں تھی لیکن تھوڑی دیر کے بعد یہ فرمایا کہ میری پگڑی پر پاؤں رکھ کر اندر

تشریف لائیں۔ (اصلاحی خطبات ج:۸ ص:۲۸۶)

شیخ الاسلام علامہ حافظ ابن تیمیہؒ

(۱) ابن تیمیہ کی اخلاقی بلندی

علامہ ابن تیمیہ کی سیرت کی بلندی اس سے نمایاں ہوتی ہے کہ انہوں نے کسی طاقت کے سامنے گردن خم نہیں کی اور نہ کسی دنیاوی ترغیب یا مالی منفعت سے ان کا دامن داغدار ہوا۔ انہوں نے سلطانی خلعت اور عطایائے سلطانی کے قبول کرنے سے بھی صاف انکار کر دیا۔

ان کا دوسرا کارنامہ یہ تھا کہ انہوں نے جیل سے باہر آتے ہی اپنے تمام مخالفین کو اوران تمام لوگوں کو جنہوں نے ایذاء رسانی کی کوشش کی تھی، بلا استثناء معاف کر دیا اور اس کا صاف اعلان کر دیا کہ ان کو کسی سے کوئی شکایت نہیں اور نہ وہ کسی سے مؤاخذہ کریں گے۔ اپنی رہائی کے بعد انہوں نے شام جو خط لکھا تھا اس میں فرماتے ہیں:

تعلمون رضی الله عنکم أني لا احب ان یوذی احد من عموم المسلمین فضلاً عن أصحابنا شئی أصلاً لا ظاهراً او باطناً ولا عندی عتب علی أحد منهم ولا لوم أصلاً بل لهم عندی من الکرامة والإجلال والمحبة أضعاف ما کان کل بحسبه ولا یخلو الرجل اما ان یکون مجتهداً او مخطأ او مذنباًفالاول مأجور مشکور والثانی مع اجره علی الاجتهاد معفو عنه والثالث فالله یغفر لنا وله ولسائر المؤمنین. لا احب ان ینتصر من

احد بسبب کذبه علی او ظلمه او عدوانه فانی قد احللت کل مسلم وانا احب الخیر لکل المسلمین وارید لکل مؤمن من الخیر ما اریده لنفسی والذین کذبوا او ظلموا هم فی حل من جهتی.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ آپ سے راضی ہو آپ کو معلوم ہے کہ میں نہیں چاہتا کہ عامہ مسلمین میں سے کسی کو کسی طرح کی بھی ظاہری یا باطنی ایذاء پہنچے۔ چہ جائیکہ یہ پسند کروں کہ ہمارے احباب (علماء واہل دین) کو میری وجہ سے کوئی ایذاء پہنچے۔ مجھے نہ کسی سے شکایت ہے نہ کسی پر ملامت بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ان کی عزت وعظمت اور محبت میرے دل میں پہلے سے بھی کئی گنا زیادہ ہے اور وہ ہر مرتبہ انسان (کسی شخص کے ساتھ اختلاف ونزاع کرنے میں) یا تو مجتہد ہوتا ہے یا غلط کار یا گنہگار۔ مجتہد تو ثواب اور شکریہ دونوں کا مستحق ہے غلط کار قابل معافی ہے۔ رہا گناہگار تو اللہ تعالیٰ ہماری، اس کی اور تمام مؤمنین کی مغفرت فرمائے۔ میں نہیں چاہتا کہ کسی شخص سے اس وجہ سے انتقام لیا جائے کہ اس نے مجھ پر بہتان باندھا تھا یا ظلم یا زیادتی کی اس لئے کہ میں نے ہر مسلمان کو معاف کر دیا ہے اور میں تمام مسلمانوں کیلئے بھلائی چاہتا ہوں اور ہر مؤمن کیلئے اسی چیز کا طالب ہوں جس کا اپنے لئے۔ وہ تمام لوگ جنہوں نے جھوٹ بولا اور جنہوں نے ظلم کیا وہ میری طرف سے بری الذمہ اور آزاد ہیں۔ میری طرف سے کوئی مؤاخذہ نہیں۔

(تاریخ دعوت وعزیمت ج:۲ ص:۸۹، ۹۰ بحوالہ "ابن تیمیہ" محمد ابوزہرہ ص:۶۲)

(۲) ایثار

ایثار کا ایک نازک مقام یہ ہے کہ آدمی اپنے دشمنوں اور حریفوں کے ساتھ فراخ دلی بلکہ عفو واحسان اور اس سے آگے بڑھ کر دعا وخیر خواہی کے ساتھ پیش آئے۔

یہ مقام ان ہی لوگوں کو حاصل ہوتا ہے جو انانیت اور حظوظِ نفس سے بہت آگے بڑھ چکے ہوں اور ان پر اللہ تعالی کی نعمتوں کی ایسی بارش ہو اور سکینت وسرور اس درجہ کا حاصل ہو کہ وہ ان سب مخالفتوں کو ان کے مقابلہ میں ہیچ اور پرکاہ سمجھتے ہوں اور جن کے اندر اپنے دشمنون اور مخالفین کیلئے بھی خیر طلبی ورحم کا جوش پیدا ہوتا ہو۔ اوپر گذر چکا ہے کہ ۹ے ھ میں جب وہ دوسری بار رہا ہوئے تو سلطان ناصر نے تنہائی میں ان سے ان قضاۃ کے قتل کے بارے میں فتوی لینا چاہا جنہوں نے جاشنگیر کی حمایت کی تھی اور سلطان کی معزولی کا فتوی دیا تھا اور یہ بھی کہا کہ انہوں نے آپ کے خلاف شورش برپا کی اور آپ کو تکلیف پہنچائی۔ اس کے جواب میں ابن تیمیہ نے ان لوگوں کی بڑی مدح وتوصیف کی اور پرزور الفاظ میں سلطان سے ان کی سفارش کی اور اس کو ان کے قتل سے باز رکھا۔ ان کے سب سے بڑے حریف ومد مقابل قاضی ابن مخلوف مالکی کا یہ مقولہ بھی گذر چکا ہے کہ ہم نے ابن تیمیہ جیسا عالی ظرف وفراخ حوصلہ نہیں دیکھا کہ ہم نے تو ان کے خلاف سلطنت کو آمادہ کیا لیکن ان کو جب قدرت حاصل ہوئی تو ہم کو صاف معاف کردیا اور الٹے ہماری طرف سے وکالت ومدافعت کی۔ (ایضاً بحوالہ بالا)

(۳) عفو ودرگذر

امام صاحب علم کی خدمت اور کتاب وسنت کی نشر واشاعت میں مصروف تھے لیکن ان کے مخالف بدستور سازشیں کررہے تھے اور اپنے داؤں سے غافل نہیں تھے۔ وہ اس سے مایوس ہوچکے تھے کہ بادشاہ اور علماء کو ان کے خلاف بھڑکا سکتے ہیں لیکن عوام کو ان کے خلاف مشتعل کرنے کی تدبیریں کرتے رہتے تھے لیکن ان سادہ لوحوں نے اتنا نہ سوچا کہ اب حضرت امام صاحب کے انصار واعوان بھی ان کے مخلص فدائیوں سے کم نہیں ہیں۔

اس سلسلہ میں دو واقعات قابل ذکر ہیں:

(۱) ۴ رجب ۷۱۱ھ کو دشمن کی بھڑکائی ہوئی عوام کی ایک جماعت امام صاحب پر حملہ آور ہوئی۔ محلہ حسینیہ کے رہنے والوں کو اس حادثہ کی خبر ہوئی تو مشتعل ہو کر بدلہ لینے کو دوڑ پڑے لیکن امام صاحب نے اس کام سے انہوں باز رکھا مگر وہ برابر اصرار کرتے رہے کہ انہیں حملہ آوروں سے سمجھ لینے کی اجازت دی جائے۔ جب اصرار حد سے بڑھ گیا تو انہوں نے فرمایا یہ بات تین صورتوں سے خالی نہیں یا تو ان حملہ آوروں نے میرے بارے میں غلطی کی ہے یا تمہارے حق میں یا اللہ کے حق میں۔ اگر میرے بارے میں غلطی کی ہے تو میں نے معاف کیا اور اگر تمہارا قصور کیا ہے تو اگر تم میری بات نہیں سنتے تو پھر جو کچھ جی چاہے کرو مجھ سے نہ پوچھو اور اگر یہ لوگ خدا کے گناہگار ہیں خدا چاہے گا تو خود ہی ان سے سمجھ لے گا۔ اسی مناقشہ کے دوران نماز عصر کا وقت آ گیا امام صاحب نماز پڑھنے جامع مسجد میں تشریف لے گئے لوگوں نے مزید ہنگامہ آرائی کے خوف سے منع کیا مگر آپ نے کچھ نہ سنا۔ آخر حفاظت کرنے والوں کی ایک جماعت بھی پیچھے پیچھے گئی۔ (حیات شیخ الاسلام ابن تیمیہ ص:۱۳۴)

(۲) بعض فقہاء بھی جو موقع کی تاک میں امام صاحب کے خلاف طنز و طعن کے تیر چلاتے ہوئے میدان میں اترے لیکن پھر یہ دیکھ کر کہ کچھ کر نہیں سکتے پشیمان ہوئے اور امام صاحب کے پاس آکر معافی مانگی۔ شاید ڈر گئے کہ حکومت بھی سزا دے گی اور عوام بھی ان کی زبان درازیوں کے معاف نہیں کریں گے لیکن امام صاحب نے بہر حال ان سے کوئی تعرض نہیں کیا اور ان کی غلطی معاف کر دی۔ اگر فرمایا بھی تو صرف اتنا کہ میں اپنا انتقام کسی سے لینا نہیں چاہتا۔ (حوالہ بالا)

(۴) دشمن سے حسن سلوک

حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب زید مجدہ تحریر فرماتے ہیں:

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ ؒ سے جوں جوں ہمارا ربط و تعلق خاطر اور مطالعاتی

استفادہ بڑھتا گیا وہ مزید نکھرتے اور واضح ہو کر سامنے آتے گئے۔ اب کے بار جب ان کے ایثار و قربانی کے حالات و کیفیات سنے تو حیرت کی انتہاء نہ رہی۔ یوں تو ایثار کے متعدد پہلو ہیں مگر سب سے زیادہ نازک ترین مقام یہ ہے کہ آدمی اپنے دشمنوں اور حریفوں کے ساتھ فراخدلی بلکہ عفو و احسان اور اس سے آگے بڑھ کر دعا و خیر خواہی کے ساتھ پیش آئے۔ عام طور پر یہی دیکھا اور سمجھا ہے کہ یہ مقام ان ہی لوگوں کو حاصل ہوتا ہے جو انانیت اور حظوظِ نفس سے بہت آگے بڑھ چکے ہوں۔ جب موصوف کے تلمیذ رشید امام ابن قیمؒ سے اس بارے میں دریافت فرمایا گیا تو انہوں نے بڑی صفائی کے ساتھ بغیر کسی مبالغہ کے ارشاد فرمایا کہ امام ابن تیمیہ اپنے دشمنوں کیلئے بھی خصوصیت سے دعائے خیر کا اہتمام کیا کرتے تھے۔ خود اپنا چشم دید واقعہ بیان کرتے ہوئے یہ شہادت دیتے ہیں کہ میں ایک روز ان کے سب سے بڑے حریف اور ایک ایسے صاحب کی وفات کی خبر لے کر آیا جو عداوت اور ان کو ایذاء پہنچانے میں سب سے آگے تھے۔ انہوں نے مجھے جھڑک دیا اور منہ پھیر لیا انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ پھر فوراً اس آدمی کے مکان پر گئے، ان کی تعزیت کی اور پسماندگان سے فرمایا مجھے ان کی جگہ پر سمجھنا جس چیز کی تم کو ضرورت ہوگی میں تمہاری اس میں مدد کروں گا۔ اسی طرح ان سے ایسی ملاطفت اور دل جوئی کی باتیں کیں جن سے وہ نہایت مسرور ہوئے اور ان کو بڑی دعائیں دیں اور ان کو اس پر سخت تعجب ہوا۔ ارباب علم و دانش اور اہل دل حضرات اس پر متفق ہیں کہ عفو و احسان، اعداء و مخالفین کے ساتھ شفقت و مرحمت کا مقام عالی ایثار سے بہت بلند اور آگے کا مقام ہے۔ یہ وہ مقام ہے جو صدیقین اور خواص کو ملتا ہے۔ امام ابن تیمیہ اس مقام پر فائز تھے گویا زبانِ حال سے وہ یہ کہتے تھے جو اسی مقام کے کسی صاحبِ حال شاعر نے فارسی میں کہا ہے۔

هر که ما را یار نبود ایزد او را یار بود هر که ما را رنج داده راحتش بسیار بود
هر که اندر راه ما خارے نهد از دشمنی هر گلے کز باغ عمرش بشگفد بے خار بود

(جو ہمارا دوست نہ ہو اللہ تعالیٰ اس کے مددگار ہوں جس نے ہمیں تکلیف پہنچائی ہے اسے بہت آرام ملے جس نے دشمنی کی بنا پر ہمارے راستے میں کانٹے بچھائے ہوں اس کے گلستان عمر کا جو پھول بھی کھلے وہ بے خار ہو۔)

حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ المنیریؒ

رحمت وشفقت

آپ بڑے نرم دل، بندگانِ خدا کے حق میں بڑے کریم وشفیق، دوست پرور اور دشمن نواز تھے۔ عارف اور مردِ خدا کا مقام وطریق زندگی بیان کرتے ہوئے آپ نے جو کچھ لکھا وہ آپ کی سچی تصویر ہے۔ فرماتے ہیں:

رحمت وشفقت او بر ہمہ تابد، خود نخورد بخلق دہد، خود نپوشد بخلق پوشاند، بزخم مردمان ننگرد بجفائے ایشان نہ بیند، شفیع ظالم خود بود جفا را بوفا پیش آید، دشنام را بدعا وثنا مقابلہ کند۔ ایں دانی از چیست؟ از بہر آن کہ وے محفوظ است از ساحت دل وے جز باد راحت بت خلق نوزد او در شفقت چوں آفتاب بود۔ بر دزمن ہمچناں تادو بدکہ پر دوست۔ در تواضع چوں زمین بود ہمہ خلق پائے بروے نہند، او را باکس خصومت نہ، دست تصرف وے از خلق کوتاہ بود، ہمہ خلق عیال وے بود، او عیال کس نہ بود، و در سخاوت چوں دریا بود، دشمن را ہمچناں بخشد کہ دوست را، عین رحمت شدہ برکافہ خلق شرق وغرب، زیرا کہ آزد بود ہر چہ بیند از یکجا بیند، دیدہ اش جمیع بود وہر جزو وے از جزائے وے، وے را ہمچنیں خلعتے پوشانند وہر کہ بدیں صفت نبود او را در طرقت ہیچ قدمے نبود۔

اس کی رحمت وشفقت کا آفتاب ہر ایک پر چمکتا ہے۔ خود نہیں کھاتا لوگوں کو کھلاتا ہے۔ خود نہیں پہنتا لوگوں کو پہناتا ہے۔ لوگوں سے اسے جو تکلیف پہنچتی ہے اس کی طرف نگاہ نہیں کرتا اور ان کے ظلم کو نہیں دیکھتا۔ اپنے اوپر ظلم کرنے والے کا شفیع ہوتا

ہے۔ جفا کا بدلہ وفا سے دیتا ہے۔ گالی کا جواب دعا اور ثنا سے دیتا ہے۔ تو جانتا ہے کہ یہ سب کچھ کیوں کرتا ہے؟ اس لئے کہ وہ محفوظ ہے۔ اس کے دل کی فضا سے سوائے باد راحت کے خلق پر کوئی ہوا نہیں چلتی ہے۔ وہ شفقت میں آفتاب کی طرح ہوتا ہے کہ جس طرح دوست پر چمکتا ہے اسی طرح دشمن پر چمکتا ہے۔ تواضع میں زمین کی طرح ہوتا ہے کہ تمام مخلوق اس پر پاؤں رکھتی ہے وہ کسی کے ساتھ جھگڑا نہیں کرتی مخلوق پر دست درازی کرنے سے اس کا ہاتھ کوتاہ ہوتا ہے۔ تمام مخلوق اس کی عیال ہوتی ہے لیکن وہ کسی کا عیال نہیں ہوتا۔ سخاوت میں دریا کی طرح ہوتا ہے۔ دشمن کو اسی قدر نوازتا ہے جس قدر دوست کو۔ مشرق ومغرب کی جملہ مخلوقات پر رحمت ہی رحمت بن کر برستا ہے کیونکہ وہ آزاد ہوتا ہے، جو کچھ دیکھتا ہے (یعنی تمام مخلوق کو اسی ذات پاک سے منسوب سمجھتا ہے) اس کی آنکھ اہل جمع کی آنکھ ہوتی ہے۔ اس کے وجود کے اجزاء میں سے ہر ایک جزو کو اسی طرح خلعت پہنایا جاتا ہے اور جو ان اوصاف سے موصوف نہ ہو اس کو طریقت میں کوئی مرتبہ ومقام حاصل نہیں ہوتا۔

اسی رحمت وشفقت کا نتیجہ تھا کہ کسی بندہ خدا کا دل توڑنا آپ کے مشرب میں گناہ تھا۔ صوفیہ کا قدیم زمانے سے شیخ سعدیؒ کے اس مقولہ پر عمل رہا ہے کہ:

"آزردن دل دوستان جہل است وکفارۂ یمین سہل۔" (۱)

ایک مرتبہ آپ نفلی روزہ رکھے ہوئے تھے۔ ایک شخص بڑے اہتمام سے آپ کی خدمت میں ایک تحفہ لایا اور کہا کہ میں بڑے شوق سے آپ کی خدمت میں لایا ہوں کہ آپ تناول فرمالیں۔ آپ نے اسی وقت تناول فرمالیا اور فرمایا روزہ توڑنے کی قضا ہے لیکن دل توڑنے کی قضا نہیں۔ اس کا یہ بھی نتیجہ تھا کہ حتی الامکان پردہ پوشی سے کام لیتے اور اگر کسی کے متعلق کسی گناہ یا کوتاہی کی اطلاع ملتی تو اس کی تاویل فرماتے۔

---

(۱) دوستوں کے دل کو رنجیدہ کرنا جہالت ہے اور قسم کا کفارہ آسان

مناقب الاصفیاء میں ہے کہ ایک دن ایک شخص نے آگے بڑھ کر امامت کی اور آپ نے اس کے پیچھے نماز پڑھی۔ نماز کے بعد کسی نے آپ سے عرض کیا کہ یہ شخص شراب خور ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہر وقت نہیں پیتا۔ لوگوں نے کہا کہ ہر وقت پیتا ہے فرمایا رمضان میں نہیں پیتا ہوگا۔ (غالباً یہ واقعہ رمضان کا ہوگا)

(تاریخ دعوت وعزیمت ج:۳ ص:۲۱۲،۲۱۵)

امام عبدالوہاب شعرانیؒ

(۱) مخالفین سے بھلائی کا برتاؤ قطع نہ کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جو شخص ہمارا مخالف یا درپے آبرو ہو ہم اس سے اپنا برتاؤ احسان وسلوک اور بھلائی کا قطع نہ کریں بلکہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے بندوں کے بارے میں ویسا ہی معاملہ کرنا چاہئے جیسا کہ وہ ہمارے ساتھ فرماتے ہیں کیونکہ ہم ہمیشہ دن رات گناہوں میں مشغول رہتے ہیں اور حق تعالیٰ ہم کو کھانا برابر دیتے رہتے ہیں اور اپنے سلوک واحسان کو ہم سے منقطع نہیں فرماتے اور بعض دفعہ ہم سے کوئی ایسا گناہ سرزد ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے ہم اس قابل ہوتے ہیں کہ ہم کو گھر کے اندر ہی زمین میں گاڑ دیا جائے یا دھنسا دیا جائے (مگر حق تعالیٰ اپنی رحمت سے پردہ پوشی فرماتے رہتے ہیں)

مالک بن دینارؒ فرمایا کرتے تھے کہ قسم خدا کی اگر لوگوں کو ہماری وہ باتیں معلوم ہو جائیں جن کو حق تعالیٰ چھپا لیتے ہیں تو وہ ہمیں پتھر مار کر ہلاک کر دیں۔ نیز یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ اگر گناہوں میں بو ہوا کرتی تو میرے پاس بوجہ گناہوں کی سخت بدبو کے کوئی بھی نہ بیٹھ سکتا۔ جب بزرگان تابعین کا اپنے نفس کو برائی کے ساتھ متہم سمجھنے میں یہ حال تھا تو ہمارا جو کہ پیٹ اور شرمگاہ کے غلام ہیں کیا حال ہونا چاہئے؟ اس سے معلوم ہوا کہ ہر اس شخص پر جو کہ اللہ کے راستہ کی طرف بلانے والا ہو یہ بات

واجب ہے کہ ادب اور تمیز سے باہر ہونے والوں کا علاج سلوک واحسان سے کرے۔ محروم کرنے اور سخت بات کہنے سے نہ کرے کیونکہ وہ راعی (یعنی نگہبان ہے) اور ہر راعی سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا۔ (البتہ جہاں سختی ہی نافع ہو وہاں مضائقہ نہیں)

ایک مرتبہ مجھے ان ذاکرین سے جو میرے پاس رہتے تھے نفرت ہوگئی تھی اور میں نے ان کو چھوڑ دینے کا قصد کیا تو اس رات خواب میں سید علی خواصؒ کو دیکھا کہ مجھ سے فرما رہے ہیں کہ تم کو رسول اللہ ﷺ حکم فرماتے ہیں کہ اپنے لوگوں کی صحبت پر اللہ تعالیٰ کی رضامندی کیلئے صبر کئے رہو اور اچھی نصیحت سے ہر وقت ان کی خبر گیری کرتے رہو اور اس شخص کی طرح مت بنو جس کی بکریاں دشوار گذار زمین میں منتشر ہوگئیں اور وہ غصہ ہو کر ان کو جنگل میں بھیڑیئے کے واسطے چھوڑ آیا تا کہ وہ ان کو پھاڑ کھاوے۔

(ہم سے عہد لیا گیا ترجمہ الدر المنضود ص:۷۷)

(۲) امت محمدیہ کے تمام آدمیوں کی خطاؤں کو اللہ تعالیٰ اور حضور ﷺ کی خاطر معاف کر دیا کریں۔

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اس امتِ محمدیہ کے تمام آدمیوں کی خطاؤں کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی خاطر سے جن کے وہ غلام ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی خاطر سے جن کی وہ امت ہیں معاف کر دیا کریں اور (مؤاخذہ وانتقام کے خیال سے) درگذر کریں اور کسی سے اپنے کسی حق کا مطالبہ دونوں جہاں میں نہ کریں خواہ مالی حق ہو یا آبرو کا کیونکہ مثل مشہور ہے۔

لِعَيْنٍ تُجَازَىٰ اَلْفُ عَيْنٍ وَ تُكْرَمُ

کہ ایک آنکھ کی وجہ سے ہزار آنکھوں کا لحاظ کیا جاتا ہے۔

(تو ہم کو بھی اللہ سبحانہ اور رسول اللہ ﷺ کی وجہ سے امت محمدیہ کی خطاؤں کو معاف کر دینا چاہئے۔)

پس جس شخص نے اس امت کے کسی آدمی سے بھی مؤاخذہ کیا اس نے نہ تو خدا تعالیٰ کی عظمت کو پہچانا جن کے یہ غلام ہیں اور نہ رسول اللہ ﷺ کی عظمت کو جانا جن کی یہ امت ہیں۔

اور عزیز من! یہ سمجھ لو کہ اس عہد پر عمل کرنا تم کو اس وقت تک آسان نہیں ہو سکتا جب تک تمہارے سامنے اپنے عیوب محض گمان اور اٹکل سے نہیں بلکہ یقین کے ساتھ منکشف اور ظاہر نہ ہو جائیں۔ اس وقت بے شک تم دل کھول کر اس کیلئے آمادہ ہو گے اور اس کی ضرورت سمجھو گے کہ ان گناہوں کے مٹانے اور پاک وصاف کرنے کی کوئی صورت ہونی چاہئے (اور وہ یہی ہے کہ تم دوسروں کی خطاؤں سے درگذر کرو اور ان کو اپنے حقوق معاف کر دو۔ امید ہے کہ حق تعالیٰ تمہاری خطاؤں سے درگذر کریں گے اور اہل حقوق سے تمہاری خطائیں معاف کرا دیں گے۔)

اور دیکھو! اگر تمہارے کپڑے میں کوئی ظاہری ناپاکی لگی ہو اور کوئی شخص آکر اسے دھو دے تو تم لامحالہ اس کی طرف جھکو گے (اسی طرح اگر تم کو گناہوں کی ناپاکی محسوس ہو جاوے اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ دوسروں کو اپنے حقوق معاف کر دینے سے یہ ناپاکی دھل جائے گی تو تم ضرور اس کیلئے آمادہ ہو جاؤ گے) پس اس عہد پر عمل کرنے والے کو سخت مجاہدہ کی ضرورت ہے یہاں تک کہ اس کو اپنے نفس کی برائیاں اس نجاست ظاہری کی طرح محسوس ہونے لگیں ورنہ وہ ضرور (دوسروں سے) مؤاخذہ کا طالب ہوگا اور درگذر کرنے پر آمادہ نہ ہوگا۔ اور میں نے اپنے نفس کے ساتھ تقریباً تیس برس تک مجاہدہ کیا تب وہ کسی قدر اس پر آمادہ ہوا اور اس کے ساتھ یہ بھی مناسب ہے کہ جو شخص ہم سے کراہت رکھتا ہو اس کے ساتھ اپنے مرنے سے پہلے جلد ہی صلح

کرلیں کیونکہ ممکن ہے کہ وہ ہماری نسبت ہمارے مرنے کے بعد کچھ کہے، سنے اور اس وقت اس بات کا معاف کرنے والا کوئی ہوگا نہیں (تو یہ مسلمان ہماری ذات کی وجہ سے گناہ میں گرفتار ہوگا) تو اپنے مسلمان بھائیوں کے حال پر شفقت کر کے ایسا ضرور کرنا چاہئے۔ اور (یاد رکھو کہ) لوگ زیادہ تر دوسروں کی آبروریزی میں کسی ایسی بات یا ایسے فعل کے بہانہ سے مبتلا ہو جاتے ہیں جس کی خبر (افواہی طور پر) بلاتحقیق کے ان تک پہنچتی ہے تو اگر ہم ان سے مل کر بات صاف کرلیں گے اور اپنا عذر واقعی بیان کر دیں گے تو امید ہے کہ وہ اس سے باز آجائیں گے چنانچہ خود مجھے ایک شخص کے ساتھ ایسا ہی واقعہ پیش آیا (کہ وہ محض سنی سنائی باتوں کی وجہ سے مجھ سے بدگمانی اور بغض رکھتا تھا) اور اس نے مجھ سے خود کہا کہ واللہ! میں تو یہ سمجھتا تھا کہ تم محض زندیق (اور بد دین) ہو پھر میں نے اپنی حالت ظاہر کی اور بتلایا کہ میں اسلام اور اہل اسلام کا (دل سے) چاہنے والا (اور ان کا جان نثار) ہوں تب اس نے (اپنے خیال سے) توبہ کی اور بہت اچھی توبہ کی۔ والحمد للہ علی ذلک۔

اور یہ عہد مجھ سے سید علی خواص ؒ نے لیا تھا۔ پھر فرمایا دیکھو! اگر کوئی تم کو ایذاء دے تو تم اس کو کسی طرح کی کچھ ایذاء مت دینا اگرچہ بدگمانی ہی کا درجہ ہو کیونکہ کسی سے بدگمانی رکھنا بھی ایک درجہ کی ایذاء ہے کہ اس شخص کے ساتھ دل کھلا ہوا نہیں رہتا اور اس کا اثر ملاقات کے وقت ضرور ظاہر ہو جاتا ہے جس سے دوسرے کو ایذاء ہوتی ہے تو اس سے بھی پرہیز کرنا چاہئے) اور یہ مت کہنا کہ بدی کا بدلہ بدی ہے (تو میں بھی اس کو ایذاء دے سکتا ہوں کیونکہ) "جَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِثْلُهَا" (الشوریٰ/۴۰) اور تم اس کے بعد کا حصہ بھی تو پڑھو اور دیکھو حق تعالیٰ یہ بھی فرماتے ہیں "فَمَنْ عَفَا وَ أَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللّٰهِ" کہ جو معاف کردے اور بات کو سنوار دے اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے اور غور کرو کہ اللہ تعالیٰ نے بدی کے انتقام کو بھی بدی سے تعبیر فرمایا ہے جس میں بندہ کو عفو و مسامحت (کی خوبی) پر متنبہ فرمایا ہے کہ اس کو چاہئے کہ وہ کسی سے

صورتاً بدی کے ساتھ بھی پیش نہ آئے (کیونکہ انتقام صورت بدی سے خالی نہیں گو حقیقۃً بدی نہ ہو)

اور عزیز من! جو شخص اس عہد پر پوری طرح عامل رہے گا اس کیلئے ہمیں حق تعالیٰ سے امید ہے کہ قیامت کے دن سب اہل حقوق کو اس سے راضی کر دیں گے اور جیسا برتاؤ اس نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے بندوں سے کیا ہے (کہ سب کو اپنے حقوق معاف کر دیئے) اس کے عوض میں (یہی برتاؤ اس کے ساتھ بھی ہوگا) کوئی شخص اپنے کسی حق کا اس سے مطالبہ نہ کرے گا۔ (ص: ۴۴۶،۴۴۴)

(۳) حلم اور عفو و درگذر سلف صالحین کے اخلاق میں سے ہے

سلف صالحین کے اخلاق میں سے ایک یہ ہے کہ جوان کو تکلیف دیتا خواہ مارتا یا ان کا مال چھین لیتا یا ان کی بے عزتی کرتا تو ان کو رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرتے ہوئے معاف کر دیتے کیونکہ آنحضرت ﷺ بھی اپنا بدلہ نہ لیتے البتہ اگر محرمات کی حد توڑی جاتی تو انتقام لیتے۔ جعفر بن محمدؒ فرماتے ہیں کہ معافی پر نادم ہونا میرے نزدیک عقوبت پر ندامت سے زیادہ مرغوب ہے۔ حاتم اصمؒ فرماتے ہیں کہ انصاف نہیں کہ تم اللہ کی نافرمانی پر لوگوں کو تو برا سمجھو اور اپنے آپ کو کچھ نہ کہو۔

میں (علامہ عبدالوہاب شعرانیؒ) کہتا ہوں اپنے آپ سے ناراض ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کو بھوکا پیاسا رکھے اور بستر پر نہ سوئے اور اس کے ساتھ ایسا سلوک کرے جیسا کسی دشمن کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ ابو یزید بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے نفس کو عبادت کیلئے بلایا لیکن نفس نے انکار کیا تو میں نے اس کی سزا میں اسے ایک سال تک پانی نہ دیا۔ ابن زبیرؓ کے پاس ایک آدمی کو لایا گیا جس نے کچھ جرم کیا تھا۔ آپ نے جلاد کو کوڑے مارنے کیلئے بلوایا۔ اس شخص نے کہا میں اس ذات کے واسطے معافی مانگتا ہوں جس کے سامنے تو مجھ سے بڑھ کر ذلیل ہوگا اس وقت ابن زبیر

تخت پر سے اترے اور زمین پر منہ رکھ کے فرمایا میں نے معاف کیا۔

میں (علامہ شعرانی) کہتا ہوں کہ شاید آپ نے قسم دینے والے کی تادیب (سزا دینا) کسی شرعی عذر کیلئے ترک کی مثلاً حد کے قائم کرنے میں اس کے ترک کرنے سے بڑھ کر کسی مفسدہ کا اندیشہ ہوگا۔ واللہ اعلم۔

قتادہؒ سے سوال ہوا سب سے گرامی قدر شخص کون ہے؟ آپ نے فرمایا جو زیادہ قصور معاف کرتا ہو۔ ایک عورت نے مالک بن دینارؒ کا قرآن مجید اور چادر چرا لی تو آپ اس کے پیچھے پیچھے گئے اور فرمانے لگے میں مالک ہوں قرآن مجید دیدے اور چادر لے جا اور کسی قسم کا فکر نہ کر۔ ابو سعید مقبریؒ فرماتے ہیں کہ پوری معافی یہ ہے کہ ظالم سے بدلہ نہ لیا جائے اور اس پر رحم کیا جائے اور یہ کہ اس کیلئے بکثرت معافی کی دعا کی جائے جیسا کہ امام مالکؒ کو مارا گیا تو آپ نے مارنے والے کو پہلے ہی کوڑے پر معاف کر دیا۔ یہی کیفیت امام احمدؒ کے بارے میں مروی ہے جب ان کو مارا گیا تھا۔

آپ فرماتے ہیں کہ آدمی کا کیا نقصان ہے اگر اس کے بدلے کسی کو عذاب نہ ہو۔ (اخلاق سلف تلخیص وترجمہ تنبیہ المغترین مصنفہ علامہ شعرانیؒ)

(۴) مخالفین کے ساتھ خوش خلقی اور مدارات

شیخ الاسلام مولانا ظفر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں:

میں نے اپنے مربی روحانی حضرت سیدی مولانا خلیل احمد صاحب دام مجدہم کو اس عہد پر پوری طرح عمل کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ مخالفین کے ساتھ خوش خلقی اور مدارات اس طرح فرماتے ہیں کہ تھوڑے عرصہ میں ان کے دلوں سے عداوت نکل جاتی اور محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ مخالفین کی طرف گزر فرماتے ہیں تو غایت اہتمام سے ان کے ساتھ سلام وکلام فرماتے ہیں۔ سالکین کو سبق لینا چاہئے اور مخالفین سے یہی

برتاؤ کرنا چاہئے۔ (ہم سے عہد لیا گیا، حاشیہ ص: ۷۷)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، مولانا فخر الدین صاحبؒ چشتی اور حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ کا ضبط و تحمل

حضرت گنگوہی قدس سرہ نے ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی اور مولانا فخر الدین صاحب چشتی اور حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ کا ایک زمانہ تھا اور تینوں حضرات دہلی میں تشریف رکھتے تھے۔ ایک شخص نے چاہا کہ تینوں حضرات ایک شہر میں موجود ہیں ان کا امتحان لینا چاہئے کہ کس کا مرتبہ بڑا ہے۔ یہ شخص اول شاہ ولی اللہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا کہ حضرت کل کو آپ کی میرے یہاں دعوت ہے، قبول فرماویں اور نو بجے دن کے غریب خانہ پر خود تشریف لاویں، میرے بلانے کے منتظر نہ رہیں۔ شاہ صاحب نے فرمایا بہت اچھا۔ اس کے بعد وہ شخص مولانا فخر الدین صاحب کی خدمت میں پہنچا اور عرض کیا ساڑھے نو بجے میرے بلائے بغیر مکان پر تشریف لادیں اور ماحضر تناول فرماویں۔ یہاں سے اٹھ کر یہ شخص مرزا مظہر جان جاناںؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ کاروبار کے سبب حاضر خدمت نہ ہو سکوں گا پورے دس بجے دن کو غریب خانہ پر تشریف لائیں۔

تینوں حضرات نے دعوت قبول فرمائی اور اگلے روز ٹھیک وقت مقررہ پر اس شخص کے مکان پر پہنچ گئے۔ اول نو بجے شاہ صاحب تشریف لائے اس شخص نے ان کو ایک مکان میں بٹھایا اور چلا گیا۔ ساڑھے نو بجے مولانا تشریف لائے۔ ان کو دوسرے کمرے میں بٹھایا۔ پھر دس بجے مرزا صاحب تشریف لائے، ان کو تیسرے مکان میں بٹھایا۔ غرض تینوں حضرات علیحدہ علیحدہ مکان میں بٹھائے گئے اس طرح کہ ایک کو

دوسرے کی اطلاع نہیں ہوئی۔ جب یہ تینوں حضرات بیٹھ لیے تو یہ شخص پانی لے کر آیا، ہاتھ دھلائے اور یہ کہہ کر چلا گیا کہ ابھی کھانا لے کر حاضر ہوتا ہوں۔ کئی گھنٹے گزر گئے اس شخص نے خبر نہ لی۔ آ کر یہ بھی نہ دیکھا کہ کون گیا اور کون بیٹھا ہے۔ جب ظہر کا وقت قریب آ گیا اور اس نے سوچا کہ مہمانوں کو نماز بھی پڑھنی ہے تو اول شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور شرمندہ صورت بنا کر عرض کیا حضرت! کیا کہوں گھر میں تکلیف ہو گئی تھی اس لئے کھانے کا انتظام نہ ہو سکا۔ دو پیسے نذر کئے اور کہا ان کو قبول فرمائیے۔ شاہ صاحب نے خوشی سے لے لیے اور فرمایا کیا مضائقہ ہے بھائی گھروں میں اکثر ایسا ہو ہی جاتا ہے، شرمندہ ہونے کی کوئی بات نہیں۔ یہ فرما کر چل دیئے۔ پھر یہ شخص مولانا فخر الدین صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور وہی کہا جو وہاں کہا تھا اور دو پیسے نذر کئے۔ مولانا نے فرمایا بھائی فکر کی کیا بات ہے اکثر گھروں میں ایسے قصے پیش آ جایا کرتے ہیں اور کھڑے ہو کر نہایت خندہ پیشانی سے تعظیم کے ساتھ رومال پھیلا دیا دو پیسے کی نذر قبول فرمائی اور رومال میں باندھ کر روانہ ہوئے۔ دونوں کو رخصت کر کے یہ شخص حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ کی خدمت میں پہنچا اور وہی عذر بیان کر کے دو پیسے نذر کئے۔ مرزا صاحب نے پیسے تو اٹھا کر جیب میں ڈال لیے اور پیشانی پر بل ڈال کر فرمایا کچھ مضائقہ نہیں مگر پھر کبھی ہمیں ایسی تکلیف مت دیجیو۔ یہ فرما کر تشریف لے گئے۔ اس شخص نے یہ قصہ اور بزرگوں سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا کہ مولانا شاہ فخر الدین صاحب فنِ درویشی میں سب سے بڑھے ہوئے ہیں کہ انہوں نے وہ نذر خندہ پیشانی کے ساتھ تعظیم سے کھڑے ہو کر قبول فرمائی اور ان سے کم درجہ شاہ ولی اللہ کا ہے کہ کھڑے تو نہیں ہوئے مگر بخوشی نذر کو قبول فرمایا اور تیسرے درجہ پر مرزا صاحب کہ نذر کی قبولیت کے ساتھ ملال بھی ظاہر فرمایا۔

یہ قصہ نقل کر کے حضرت امام ربانی نے ارشاد فرمایا کہ اس زمانہ کے بزرگوں کا یہی خیال تھا مگر میرے نزدیک تو حضرت مرزا صاحب کا درجہ بڑھا ہوا ہے کہ باوجود

اس قدر نازک مزاج ہونے کے اتنا صبر وتحمل فرمایا اور ''کچھ مضایقہ نہیں'' جواب عطا فرمایا۔ (آپ بیتی حضرت شیخ الحدیث ص: ۲۲۹ تا ۲۳۱ بحوالہ تذکرہ الرشید ص: ۲۵۸ ج ۲)

اس قصہ کو مختصر طور پر ارواح ثلاثہ میں بھی ذکر کیا گیا ہے۔ اس میں امیر شاہ خان صاحب نے بیان کیا ہے کہ یہ قصہ مجھ کو حضرت حاجی صاحب نے بھی سنایا ہے اور حضرت گنگوہی صاحب نے بھی۔ حضرت حاجی صاحب نے تو اس قصہ کو بیان فرما کر فرمایا کہ شاہ ولی اللہ صاحب کی بات بہت انکساری کی ہے اس سے چشتیت ٹپکتی ہے اور مولانا نوتوی نے فرمایا کہ شاہ ولی اللہ صاحب کی بات بڑھی ہوئی ہے کہ ان کے نفس نے اصلاً حرکت نہ کی اور حضرت گنگوہی فرمایا کرتے تھے کہ مرزا صاحب کی بات بڑھی ہوئی ہے۔ عدل کا اقتضاء یہی ہے کہ جو کچھ مرزا صاحب نے فرمایا۔ حاشیہ میں حضرت تھانوی ارشاد فرماتے ہیں کہ: ''قولہ: حضرت گنگوہی الخ اقول: احقر کا میلان حضرت گنگوہی کی رائے کی طرف ہے۔ (ارواح ثلاثہ ص: ۱۲)

حضرت مرزا صاحب کا دوسرا واقعہ

حضرت مرزا صاحب کا امتحان اور مجاہدہ سب اسی نفاست اور نزاکت طبع میں تھا۔ ایک عورت تھی نہایت بدمزاج، کج خلق اور منہ پھٹ۔ حضرت والا کو الہام ہوا کہ اگر اس عورت سے نکاح کرو اور اس کی بدزبانی اور ایذا دہی پر صبر کرو گے تو تم کو نواز لیا جائے گا۔ حضرت نے فوراً پیام بھیج دیا اور اس سے نکاح کر لیا۔ وہ عورت اس درجہ تندخو، بدخصلت، سخت دل اور فحش گو تھی کہ الامان۔ حضرت مرزا صاحب خوشی خوشی دولت خانہ تشریف لے جاتے اور وہ سڑی سڑی سنانی شروع کرتی۔ چپکے چپکے بیٹھے سنتے رہتے، زبان سے اف نہ نکالتے، اندر گھلتے رہتے۔ آخر واپس تشریف لے آتے۔

آپ کا معمول تھا کہ روزانہ صبح ہوتے ہی خادم کو حکم فرماتے کہ جاؤ! دروازہ پر حاضر ہو کر میرا سلام عرض کرو اور پوچھو کوئی کار خدمت ہو تو انجام دیا جائے۔ بموجب

ارشاد خادم آستانہ پر حاضر ہوتا اور شیخ کا پیغام پہنچا کر مزاج پرسی کرتا۔ وہ نیک بخت بجائے جواب سلام گالیاں سناتی اور وہ وہ مغلظات بکتی کہ سننے والے شرما جاتے تھے مگر مرزا صاحب کی خادم کو تاکید تھی کہ دیکھو اہلیہ کی شان میں گستاخی نہ ہونے پائے۔ کسی بات کا جواب مت دینا، جو کچھ فرمادیں سن لینا۔ ایک روز کوئی ولائتی خادم اس خدمت پر مأمور ہوا۔ ہر چند اس کو تاکید کی تھی کہ جواب نہ دیا جائے مگر بے چارہ ضبط نہ کر سکا۔ جب دروازہ پر پہنچ کر حضرت کا سلام پہنچایا، مزاج پرسی کی تو عورت نے بکنا شروع کیا ''پیر بنا بیٹھا ہے، اسے یوں کروں اور دوں کروں'' ہر چند کہ ولائتی نے ضبط کی کوشش کی مگر آخر کہاں تک۔ پیر کو گالیاں نہ سن سکا اور غصہ میں آکر کہا بس چپ رہ ورنہ گردن اڑا دوں گا۔ اس جواب پر وہ نیک بخت اور آگ بگولا ہوگئی، اب لگی ہونے ''توں توں میں میں'' غل کی آواز جو مرزا صاحب کے کان میں پہنچی تو گھبرا اٹھے اور جلدی سے ولائتی کو واپس بلا بھیجا، اس کو بٹھایا اور فرمایا تم ناواقف ہو دوسرے خادم کو بھیجا۔ وہ گالیاں سن کر واپس آ گیا۔ حضرت مرزا صاحب اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میں اس عورت کا نہایت مشکور اور احسان مند ہوں اس کے باعث مجھے بہت نفع پہنچا ہے اور حقیقت میں اس کی شدائد اور سختیوں کو برداشت کرتے کرتے حضرت مرزا صاحب کے اخلاق غایت درجہ مہذب ہو گئے اور آپ کا سب غیظ و غضب فرو ہو گیا تھا۔ (ارواح ثلاثہ ص:۲۶، ۲۷)

حضرت سید احمد شہیدؒ

(۱) پیر دار خان باشندہ لوہانی پور کی گائے حضرت کے خربوزے کے کھیت میں چلی گئی اور بہت نقصان کیا۔ چوکیداروں نے اس گائے کو دوڑا کر پیر داد خان کے گھر پہنچا دیا۔ گائے دوڑنے کی وجہ سے بہت سست ہوگئی۔ پیر داد خان نے بہت غصہ کیا اور آپ کے پاس آکر بیٹھ گئے۔ چند اور شرفاء بھی وہاں موجود تھے۔ اس وقت ایک بہت خوش رنگ اور عمدہ خربوزہ جو فصل کا پہلا پھل تھا اور تین آم جو موسم کے ابتدائی پھل تھے، رکھے ہوئے تھے۔ آپ نے مہربانی اور شفقت کے ساتھ ان میں سے ایک

آم میاں شیخ امان اللہ رائے بریلوی کو جو ایک بزرگ آدمی تھے عطا فرمایا اور دوسرا آم دوسرے صاحب کو دیا اور خربوزہ پیر داد خان کو عنایت فرمایا۔ ان دونوں بزرگوں نے تو تبرکاً وہ پھل لے لئے لیکن پیر داد خان نے وہ خربوزہ وہیں آپ کے ساتھ ڈال دیا اور کہا کہ میں نہیں لیتا۔ میاں شیخ امان اللہ کہنے لگے کہ یہ حضرت کا عطیہ ہے اور تمہارے لئے موجب برکت ہے، اس کو واپس نہیں کرنا چاہئے۔ وہ زیادہ غصے میں آکر کہنے لگے کہ ہمارے لئے موجب برکت نہیں، موجب حرکت ہے اور برا بھلا کہنا شروع کر دیا اور بے ادبی اور گستاخی میں حد سے بڑھ گئے۔ آپ نے بڑی عاجزی اور انکساری سے معذرت کی اور فرمایا کہ میں فصل رکھانے والوں کو تنبیہ کروں گا۔ انہوں نے بہت برا کیا کہ تمہارے جانور کو تکلیف دی، اگر وہ جانور مر جاتا تو ہم تم کو اس کے عوض میں اس سے اچھا جانور دیتے اتنا رنج نہ کرو۔

سید عبدالرحمٰن جو اس قصے کے راوی ہیں، فرماتے ہیں کہ میں ایک کام سے بازار گیا ہوا تھا واپس آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ غلام رسول خان جو آپ کے گھوڑوں کی دیکھ بھال پر مقرر تھے اور ذی عزت آدمی تھے، غصے کے مارے رو رہے ہیں۔ میں نے پوچھا خان صاحب خیریت ہے؟ انہوں نے کہا کہ عجیب قصہ ہے، اس بدتمیز آدمی نے حضرت کی شان میں گستاخی کی اور غیر مہذب الفاظ زبان سے نکالے اور حد سے بڑھ گیا۔ میں نے چاہا کہ اس کو ڈانٹ دوں اور اس کو اس بدتمیزی سے باز رکھوں۔ حضرت تو انتہائی درجہ کے بردبار ہیں۔ انہوں نے مجھے ڈانٹ دیا اور فرمایا کہ یہاں سے چلے جاؤ۔ میں آپ کے حکم کی تعمیل میں باہر آ گیا۔ میاں امان اللہ خان نے پیر داد خان کو بہت سمجھایا کہ اس قدر بے تمیزی اور بے لگامی شرفاء کی شان کے خلاف ہے۔ پیر داد اپنے گھر چلے گئے۔ سید علم الہدیٰ اور سید فخر الدین جو آپ کے بھائی بند تھے، غصے سے بھرے ہوئے آئے اور کہا کہ ہم اس بدتمیز کی مرمت کریں گے۔ آپ نے فرمایا خاموش رہو، ایسا نہیں چاہئے۔ نہیں تو اس کی جمعہ و جماعت ترک ہو جائے گی، صبر کرو۔ سید

عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ میں بھی غصہ سے بے قابو ہو گیا۔ میں نے بھی آ کر عرض کیا کہ یہ نالائق ایسی بدتمیزی کر کے یہاں سے سلامت چلا گیا۔ افسوس کہ میں موجود نہ تھا۔ آپ نے ان کو بھی ملامت کی اور کہا تم بچے ہو تم کیا جانو؟ اگر اس سے جمعہ و جماعت فوت ہو جائے گی تو اس کے حق میں بڑی قباحت ہو گی۔ اس کے بعد آپ تیار ہوئے کہ میں خود معذرت کیلئے خان صاحب کے پاس جاؤں گا۔ آپ کا معمول تھا کہ بڑی بہن سے ملنے کیلئے قلعے تشریف لے جایا کرتے تھے۔ آپ گھوڑے پر سوار ہوئے اور لوگ آپ کے ساتھ چلے۔ بہن سے مل کر آپ لوہانی پور خاں صاحب کے دروازے پر آئے۔ وہ آپ کی سواری دیکھ کر گھر میں گھس گئے۔ آپ گھوڑے سے اتر کر دروازے پر بیٹھ گئے اور فرمایا آج خان صاحب سے خطا معاف کرائے بغیر نہیں جاؤں گا۔ خان صاحب گھر سے باہر نہیں آئے یہاں تک کہ گاؤں کے روساء واشراف جمع ہو گئے، ان کو بڑی ملامت کی اور ان کا ہاتھ پکڑ کر سید صاحب کے پاس کھینچ کر لے آئے۔ آپ ان سے بغل گیر ہوئے اور ان سے معافی چاہی اور فرمایا کہ اگر تمہاری گائے مر جاتی تو ہم تمہیں اس سے اچھی دیتے۔ پھر آپ نے ان کی ایسی دل جوئی اور خاطر داری کی کہ ان کو راضی کر کے گھر واپس ہوئے۔ پیر داد خان کے چھوٹے بھائی نور داد خان آپ کی یہ عاجزی اور انکسار اور بھائی کا یہ غرور وتکبر دیکھ کر بھائی سے جدا ہو گیا اور گھر بار چھوڑ کر آپ کے ساتھ ہو گیا یہاں تک کہ بالاکوٹ میں آپ کے ساتھ جامِ شہادت نوش کیا۔

(تاریخ دعوت وعزیمت، حصہ ششم ج:۲ ص:۴۷۲،۴۷۴)

(۲) مولوی سید جعفر علی ایک دوسرا واقعہ سید عبدالرحمٰن اور سید زین العابدین کی زبانی نقل کرتے ہیں کہ سفر حج میں آپ کے ساتھ مولوی نصیر الدین اور شیخ نجم الدین پھکیت ساکنان لکھنؤ کے بھائی امام الدین بھی ہمراہ تھے۔ آپ ان کی بڑی مراعات فرماتے تھے اور ان کو بھی ابتداء میں آپ کے ساتھ اعلیٰ درجے کی ارادت مندی اور عقیدت تھی لیکن مکہ معظمہ پہنچ کر بعض کج طبیعت لوگوں کے اغواء سے آپ کی

طرف سے طبیعت میں بے اعتقادی اور مخالفت پیدا ہو گئی۔ ایک روز آپ اپنی قیام گاہ پر تشریف رکھتے تھے کہ حاجی عبد الرحیم (ولائتی) کے رفیق حاجی عمر، جو بڑے صالح وسعید، عابد وزاہد، متقی بزرگ تھے، آپ کی ملاقات کو آئے۔ آپ نے ان کی بڑی عزت وتوقیر فرمائی اور فرمایا کہ ان جیسے آدمیوں سے ملائکہ کو بھی لحاظ آتا ہے اور ایسے ہی آدمی ہوتے ہیں جو فرشتوں پر بھی فضیلت رکھتے ہیں۔ یہ سن کر امام الدین کو غصہ آ گیا اور انہوں نے برملا کہا کہ آپ جھوٹ کہتے ہیں۔ آپ نے انتہائی ملائمت سے فرمایا کہ بھائی غلط نہیں ہے، اللہ کے بندوں میں بعض خاص الخاص بندے خواص ملائکہ پر شرف رکھتے ہیں۔ آپ جس قدر نرمی اور آہستگی کے ساتھ یہ فرماتے، امام الدین اسی قدر غصے اور درشتی کے ساتھ آپ کو جواب دیتے اور بدتمیزی سے پیش آتے۔ رام پور کے ایک شخص حافظ نابینا، جو سید صاحب سے بد اعتقاد تھے اور کبھی کبھی کہتے تھے کہ آپ سخت دنیا دار ہیں، پاس سے گذر رہے تھے۔ یہ منظر دیکھ کر اپنے دل میں پشیمان ہوئے اور آپ کے حلم وبردباری اور بزرگی کے قائل ہو گئے اور دوسرے روز انہوں نے حطیم میں آپ سے بڑی معذرت کی اور اپنی غلطی سے تائب ہو کر بیعت کی اور مخلصین صادقین کے گروہ میں شامل ہو گئے۔ (ایضاً ص: ۴۷۴)

(۳) تیسرا واقعہ یہ ہے کہ سفر حج سے واپسی پر آپ موضع ڈگھا میں جو عظیم آباد کے قریب ہے، اپنے ایک مرید با اخلاص شیخ جان کے مکان پر مقیم تھے کہ آپ نے ایک شخص سے فرمایا کہ مکان کے باہر ایک شخص مسلح چکر لگا رہا ہے اس کو میرے پاس لاؤ۔ جب وہ شخص آپ کے سامنے لایا گیا آپ نے مکان خالی کروا دیا۔ سب لوگ باہر چلے گئے لیکن ایک شخص جو حقیقۃً جاگ رہا تھا بظاہر سوتا دکھائی دیتا تھا وہ سب حال دیکھتا رہا۔ اس وقت آپ کے پاس کوئی ہتھیار نہ تھا۔ جب سب لوگ باہر چلے گئے تو آپ نے اس سے کہا کہ تم جس کام کیلئے آئے ہو اس میں کیوں دیر کرتے ہو؟ آپ کے یہ فرماتے ہی اس کے جسم میں رعشہ پڑ گیا اور وہ بدحواس ہو گیا۔ آپ نے پھر فرمایا کہ

میں نے اسی لئے تنہائی کرائی ہے کہ تم اپنا کام پورا کرلو، ڈرو نہیں اور یہ شک نہ کرو کہ شاید کوئی دوسرا آدمی ہو، میں وہی شخص ہوں جس کیلئے تم آئے ہو۔ اس شخص نے اپنے تمام ہتھیار اتار کر آپ کے سامنے رکھ دیے اور عرض کیا کہ یہ سب حضور کی نذر ہیں۔ میں اپنے فعل سے توبہ کرتا ہوں۔ اس کے بعد اس نے بیان کیا کہ فلاں شخص نے مجھے پانچ سو روپے آپ کو شہید کرنے کیلئے دئے ہیں اور میں لالچ اور شیطان کے فریب میں آکر اس حرکت پر آمادہ ہوگیا اور یہاں تک پہنچا۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمائے اور آپ درگذر کریں۔ اس کے بعد اس نے بیعت کی۔ آپ نے اس کے سارے ہتھیار واپس کردیے اور پانچ روپے اوپر سے دئے اور ان پانچ روپوں میں سے ایک روپے کو الگ کرکے فرمایا کہ یہ چار تو اپنی ضروریات میں خرچ کرنا اور اس ایک کو محفوظ رکھنا اور کسی کی نوکری کبھی نہ کرنا۔ ان شاء اللہ تم زندگی بھر کسی کے محتاج نہ رہوگے اور ہمیشہ خوش حال رہوگے۔ (ایضاً ص: ۴۷۵)

(۴) شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب تحریر فرماتے ہیں:

اکابر کا معمول اپنے اوپر تنقیدات کے بارے میں بہت ہی اونچا اور قابل رشک تھا۔ کاش اس سیہ کار کو بھی ان اکابر کے اوصاف حسنہ میں سے کچھ مل جاتا تو کیسا اچھا ہوتا۔ یہ حضرات اجانب کی نہیں بلکہ مریدین اور شاگردوں کی تنقیدوں کو بھی بشرطیکہ اخلاص پر مبنی ہوں محض عناد مقصود نہ ہو، بہت غور سے سنتے تھے اور اس پر عمل بھی کرتے تھے جس کے واقعات بہت کثرت سے سنے اور پڑھے۔ تذکرۃ الرشید میں حضرت سید صاحب رحمہ اللہ کا واقعہ لکھا ہے کہ حضرت سید احمد شہید صاحب قدس سرہ نے شادی کی، نماز میں کچھ دیر سے تشریف آوری ہوئی۔ مولانا عبدالحی صاحب نے (جو حضرت کے مرید تھے) سکوت فرمایا کہ شاید نئی شادی کی وجہ سے تاخیر ہوگئی ہو۔ اتفاقیہ کچھ دیر ہو گئی ہو۔ اگلے دن پھر ویسا ہی ہوا کہ سید صاحب کو اتنی دیر ہوگئی کہ تکبیر اولیٰ ہو چکی تھی۔ مولوی عبدالحی صاحب نے سلام پھیرنے کے بعد کہا عبادت الٰہی ہوگی یا شادی کی

عشرت۔ سید صاحب چپ ہو رہے اور اپنی غلطی کا اقرار کر لیا اور پھر نماز میں اپنے معمولی طریق پر تشریف لانے لگے۔

(آپ بیتی ص:۳۱۸ ج:۲ بحوالہ تذکرۃ الرشید ص:۲۷۲ ج:۲)

(۵) حضرت سید احمد نور اللہ مرقدہ کے باورچی خانہ کے منتظم میاں عبدالقیوم اور عبداللہ بہرے تھے اور قادر بخش حضرت کا کھانا پکایا کرتے تھے۔ ایک روز وہ گوشت پکا رہے تھے اور گوشت میں پانی کم تھا۔ اس عرصہ میں مغرب کی اذان ہو گئی۔ انہوں نے حاجی عبداللہ سے کہا کہ ذرا گوشت کی خبر رکھنا میں نماز کو جا رہا ہوں۔ حاجی عبداللہ گوشت کے نیچے سے آگ کھینچ کر خود بھی نماز کیلئے چلے گئے۔ بعد نماز جب قادر بخش آئے تو دیکھا کہ گوشت میں داغ لگ گیا تھا۔ انہوں نے صاف بوٹیاں نکال کر اس میں شوربا کر دیا۔ پھر بھی جلنے کا اثر باقی رہ گیا اور جب سید صاحب کی خدمت میں کھانا پیش کیا گیا تو حضرت نے قادر بخش سے کہا کہ آج کیسا کھانا پکایا کہ گوشت جل گیا؟ انہوں نے واقعہ عرض کیا۔ یہ واقعہ سن کر بے ساختہ حضرت سید صاحب کی زبان سے نکل گیا کہ تم اس مردود کے کھانا حوالہ کر کے نماز کو کیوں چلے گئے؟ یہ سخت لفظ حضرت کی زبان سے عادت کے خلاف سن کر سب خدام متحیر رہ گئے۔ جب عشاء کے بعد فارغ ہو کر حضرت تشریف لائے تو چند خدام نے آپس میں کہا کہ حضرت کی زبان سے یہ لفظ خلاف معمول نکل گیا۔ اس پر متنبہ کرنا چاہیے۔ اس لئے کہ حضرت نے بار بار ارشاد فرمایا ہے کہ میں بشر ہوں اگر کسی وقت کچھ بے جا کلام شریعت کے خلاف میری زبان سے صادر ہو تو مجھ کو ضرور اطلاع کر دو اور اگر نہ کرو گے تو قیامت کے روز تمہارا دامن گیر ہوں گا۔ اس لئے اس بات کی اطلاع کرنی ہم پر واجب ہے کہ ہم بری الذمہ ہو جائیں۔ اس بات پر متفق ہو کر سب آپ کے پاس دستور کے موافق آئے اور بیٹھے۔ پھر دو صاحبوں نے عرض کیا کہ حضرت! سب بھائی لوگ جو حاضر ہیں یہ کہہ رہے ہیں کہ آج حضرت کی زبان سے مردود کا لفظ نکل گیا۔ یہ لفظ کسی مسلمان کو کہنا کیسا ہے؟

آپ نے اس سوال کو سن کر دیر تک سکوت فرمایا اور کہا کہ یہ بات کسی مسلمان کو نہیں کہنا چاہیئے۔ یہ کلمہ میری زبان سے بے اختیاری میں بے ساختہ نکل گیا اور بڑا قصور ہوا اور تم سب بھائیوں نے خوب کیا جو اس قصور سے مجھ کو آگاہ کیا۔ پھر آپ نے حاجی عبداللہ اور باورچی خانہ کے سب لوگوں کو بلوایا اور ہر ایک جماعت کے بہت لوگ اس وقت حاضر تھے اور حاجی عبداللہ بہت سادہ مزاج صالح آدمی تھے۔ حضرت نے ان کو پاس بٹھا کر فرمایا کہ حاجی صاحب! ہم تمہارے قصور مند ہیں، اس وقت غصہ میں بے اختیار ہماری زبان سے مردود کا جو لفظ نکل گیا ہماری یہ خطا اللہ معاف کر دو اور ہم سے مصافحہ کر لو۔ وہ سنتے کم تھے اپنے جی میں ڈر گئے اور عذر کرنے لگے کہ حضرت! آپ کا سالن مجھ سے جل گیا میں بہت نادم ہوں میری یہ خطا خدا کے واسطے معاف کر دیں۔ آپ نے ان کے کان میں زور سے پکار کر کہا تمہاری کچھ خطا نہیں ہے خطا ہم سے ہوئی کہ مردود کا لفظ ہماری زبان سے نکل گیا تم ہم کو معاف کر دو۔ یہ بات سن کر انہوں نے حضرت کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کہ حضرت! میں نے معاف کر دیا۔ آپ میرے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ میری مغفرت کرے اور آپ نے مصافحہ کیا۔ پھر آپ نے اسی مجلس میں سب کے سامنے باآواز کہا میں اپنی خطا سے توبہ کرتا ہوں، اب کبھی ایسا بے جا کلام ان شاء اللہ میری زبان سے نہ نکلے گا۔ پھر دیر تک اسی مضمون پر تقریر فرماتے رہے۔

چند روز بعد حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب تشریف لائے تو لوگوں نے یہ سارا واقعہ حضرت شہید کو سنایا تو حضرت نے فرمایا کہ اولیاء اللہ کی زبان سے بشریت کے سبب کوئی کلام مکروہ شریعت کے خلاف نکل جاتا ہے اور وہ اس سے توبہ کرتے ہیں تو حقیقت میں وہ کلام حکمت اور فائدے سے خالی نہیں ہوتا اور نہ اس سے ان کا مرتبہ کم ہو جاتا ہے بلکہ ان کا درجہ اس کے سبب بڑھ جاتا ہے چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کا گیہوں کھانا اور جنت سے نکالا جانا بظاہر تو بے شک ان سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوئی اور انہوں نے اپنی خطا سے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ نے وہ خطا عفو فرمائی مگر اس میں حکمت

الٰہی یہ تھی کہ اس خطا کے سبب وہ جنت سے نکالے جائیں اور دنیا میں آئیں۔ ان سے انبیاء، اولیاء، مؤمن، مسلمان سب پیدا ہوں، دنیا اور آخرت کا کارخانہ جاری ہو۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک قبطی کو قتل کیا اور فرعون کے خوف سے مدین چلے گئے وہاں حضرت شعیب علیہ السلام کی لڑکی سے ان کا نکاح ہوا اور جب چند سال وہاں رہ کر مصر کو چلے تو کوہ طور پر رسالت ملی۔ اب خیال چاہئے کہ اس خطا میں اور وہاں سے بھاگنے میں کتنی حکمتیں تھیں۔ اگر ان سے وہ خطا نہ ہوتی تو یہ فوائد کیونکر ظہور میں آتے۔ (آپ بیتی ص:۳۱۹، ۳۲۱ بحوالہ سیرت احمد شہیدؒ ص:۵۰۵ ج:۲)

(۶) سفر حج میں آپ کے ساتھ عبداللہ نومسلم دہلوی اور ان کی بیوی جو آپ کے گھر کی ملازمہ اور خدا کی ایک نیک بندی تھی، ساتھ تھے۔ اس عورت کی گود میں ایک بچہ تھا اور آپ کی ایک صاحب زادی بھی شیر خوار تھی۔ وہ عورت دونوں کو دودھ پلاتی تھی۔ کچھ دن بعد اس کا دودھ کم ہوگیا۔ اس نے صاحب زادی کو دودھ پلانا چھوڑ دیا۔ آپ کی اہلیہ محترمہ کو اس پر غصہ آیا اور انہوں نے ایک دن حضرت سے شکایت کی۔ آپ نے اس خادمہ سے کہا کہ تم اس بچی کو ضرور دودھ پلاؤ۔ ہم تمہاری خوراک ایسی مقرر کردیں گے کہ دودھ بڑھ جائے گا۔ اس نے کہا کہ میں نے بہت سی چیزیں کھائیں لیکن دودھ نہیں بڑھا۔ میں اس بچی کو دودھ پلانے کیلئے تیار ہوں لیکن پوچھتی ہوں کہ اگر میرا بچہ بھوکوں مرگیا تو اس کا گناہ مجھ پر ہے یا نہیں؟ آپ نے اپنی بچی کا دودھ اس سے چھڑا دیا۔ اس کا میاں عبداللہ کو بھی رنج ہوا۔ چار پانچ دن کے اندر آپ کو بہت تردد و پریشانی لاحق ہوئی اور دعا و مناجات وغیرہ میں کمی محسوس ہوئی۔ اس پر آپ نے مغموم ہوکر بارگاہ بے نیاز میں بہت دعا والتجاء کی۔ آپ کو تنبہ ہوا کہ بچی کو دودھ پلانے کے واقعہ میں آپ سے ایک غریب عورت کی دل شکنی ہوئی اور اس کے بچہ کی حق تلفی ہوئی۔ آپ صبح ہی صبح مکان پر تشریف لائے اور لوگوں کو جمع کر کے ارشاد فرمایا کہ مجھ سے اس معاملہ میں قصور ہوا اور سب واقعہ بیان کیا۔ پھر سب مستورات کو ساتھ لے

کر میاں عبداللہ کی بیوی کے پاس تشریف لے گئے۔ وہ یہ دیکھ کر ڈر گئیں اور رونے لگیں۔ آپ نے ان کو تسلی دی اور فرمایا ہم سے خطا ہوئی کہ ہم نے تم کو بچی کے دودھ پلانے کا حکم دیا خدا کیلئے معاف کر دو۔ یہ سن کر وہ زیادہ رونے لگی۔ عورتوں نے ان کو سمجھایا کہ زبان سے کہہ دو کہ ہم نے معاف کیا۔ اس طرح تین بار ان کی زبان سے کہلوایا اور پھر آپ نے ان کیلئے دعاء خیر کی اور اہلیہ محترمہ کو بڑی تاکید فرمائی کہ اس عورت کی پہلے سے بھی زیادہ خاطر داری اور دل جوئی کرنا۔ پھر آپ شیخ عبداللطیف تاجر کے مکان پر تیز قدمی کے ساتھ تشریف لائے۔ شیخ صاحب موصوف، مولانا عبدالحی، مولانا محمد اسماعیل اور حکیم مغیث الدین وغیرہ دالان میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ میں اس وقت تمہارے پاس ایک ضروری کام کیلئے آیا ہوں۔ آپ نے میاں عبداللہ کو پہلو میں بٹھایا اور ایک بڑی پر اثر تقریر کی جس میں پروردگار عالم کی بے نیازی کا مضمون بیان فرمایا اور یہ کہ سب بندوں سے قصور اور نافرمانی ہوتی ہے اور سب یکساں خدا کے محتاج ہیں۔ پھر آپ کھڑے ہو گئے اور آپ کے ساتھ سب اہل مجلس کھڑے ہو گئے۔ آپ نے بچی کے دودھ پلانے کے واقعہ کو بیان کیا اور فرمایا کہ میں نے میاں عبداللہ کی بیوی سے تمام عورتوں کے روبرو معافی مانگ لی ہے لیکن میں چاہتا ہوں کہ میاں عبداللہ سے آپ کے اور سب مسلمانوں کے سامنے معافی مانگ لوں تاکہ آپ سب بھی دعاء میں داخل ہو جائیں۔ آپ کے اس فرمانے سے تمام اہل مجلس پر رقت طاری ہو گئی۔ میاں عبداللہ اتنا روئے کہ جواب کی طاقت نہ رہی۔ انہوں نے انتہائی عجز سے عرض کیا کہ میں آپ کا خادم اور فرمان بردار ہوں۔ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ تم ہمارے بھائی ہو، ہم سے قصور ہوا۔ اب ہمارے معافی مانگنے اور تمہارے معاف کر دینے میں بڑی خیر و برکت ہے، تم کو معاف کر دینا چاہئے۔ میاں عبداللہ پر ایسا گریہ طاری تھا کہ بات زبان سے نہیں نکلتی تھی۔ ایک دوسرے شخص نے ان کے شانے پر ہاتھ رکھا اور کہا کہو میں نے معاف کیا۔ میاں عبداللہ نے عرض کیا کہ اگر

میرے کہنے ہی پر موقوف ہے تو میں نے دل وجان سے معاف کیا۔ اس کے بعد آپ نے دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے اور بڑی گریہ وزاری سے مسلمانوں کیلئے عموماً اور میاں عبداللہ کیلئے خصوصیت سے دعا فرمائی۔ (ایضاً بحوالہ سیرت سید احمد شہیدؒ ص:۵۰۳ ج:۲)

مولانا سید اسماعیل شہیدؒ

(۱) مولوی صاحب! ہم نے سنا ہے کہ تم حرامی ہو؟

جناب امیر شاہ صاحب نے فرمایا کہ ایک مرتبہ مولوی محمد اسماعیل صاحب شہید وعظ فرما رہے تھے۔ اثنائے وعظ میں ایک شخص اٹھا اور کہا کہ مولوی صاحب! ہم نے سنا ہے کہ تم حرامی ہو؟ آپ نے نہایت متانت سے جواب دیا کہ میاں! تم نے غلط سنا ہے، میرے ماں باپ کے نکاح کے گواہ ''بڈھانہ، پھلت اور خود دلی'' میں ہنوز موجود ہیں اور یہ فرما کر پھر وعظ شروع کر دیا۔ (ارواح ثلاثہ ص:۵۲)

(۲) تم واقعی سچ کہتے ہو

ایک مرتبہ وعظ فرما رہے تھے۔ اس میں ایک حدیث نقل کی۔ اسی وقت ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا کہ میں نے شاہ اسحٰق صاحب سے سنا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھ کو خبر نہیں۔ اسی وقت وعظ چھوڑ کر شاہ صاحب کے پاس پہنچے اور تصدیق کی اور پھر وعظ کے جلسہ میں آکر فرمایا واقعی تم سچ کہتے ہو، یہ حدیث ضعیف ہے۔ (آپ بیتی شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب ص:۳۳۵ ج ۲)

(۳) آپ نہایت بجا فرماتے ہیں یہ واقعی میری غلطی ہے

ایک مرتبہ حضرت مولانا اسمعیل صاحب شہید نور اللہ مرقدہ ہندوؤں کے کسی میلہ میں گئے۔ سید (احمد شہیدؒ) صاحب اس زمانہ میں ان سے پڑھتے تھے وہ بھی ان کے ساتھ تھے۔ جب یہ دونوں میلے میں پہنچے تو سید صاحب پر ایک جوش سوار ہوا اور

نہایت غصہ آیا اور تیز لہجے میں مولانا شہید سے فرمایا آپ نے کس لئے پڑھا تھا کیا سواد کفار بڑھانے کیلئے۔ آپ کو معلوم ہے کہ آپ اس وقت کہاں ہیں؟ آپ غور فرمائیں کہ ایک عالم اور شاہ عبد العزیز اور شاہ عبد القادر کا بھتیجا کفار کے میلہ کی رونق بڑھائے۔ کس قدر شرم کی بات ہے؟ مولانا پر اس کا خاص اثر ہوا اور انہوں نے فرمایا کہ سید صاحب آپ نہایت بجا فرماتے ہیں واقعی یہ میری غلطی ہے اور یہ فرما کر فوراً لوٹ آئے اور پھر کبھی کسی میلہ میں نہیں گئے۔

حضرت حکیم الامت اس کے حاشیہ پر تحریر فرماتے ہیں شاگرد کی نصیحت کو تیز لہجہ میں قبول کر لینا اور عمل کرنا کس قدر مجاہدہ عظیمہ ہے۔

(آپ بیتی ص: ۳۲۵ ج: ۲ بحوالہ ارواح ثلاثہ ص: ۹۰)

شاہ محمد اسحٰق محدث دہلویؒ

خان صاحب نے فرمایا کہ مولانا گنگوہیؒ فرمایا کرتے تھے کہ شاہ اسحٰق صاحب کے ایک شاگرد اجمیر میں رہا کرتے تھے اور وہاں مواعظ کے ذریعے اشاعت دین کیا کرتے تھے۔ انہوں نے حدیث ''لا تشدوا الرحال'' کا درس کہنا شروع کیا اور لوگوں پر اس کا اثر بھی ہوا۔ اتفاق سے شاہ اسحٰق صاحب کا اس زمانہ میں قصد ہجرت ہو گیا۔ جب شاہ صاحب کے قصد کی ان کو اطلاع ہوئی تو انہوں نے شاہ صاحب کو لکھا کہ جناب جب عازم سفر ہجرت ہوں تو اجمیر تشریف نہ لاویں کیونکہ میں حدیث ''لا تشدوا الرحال'' کا وعظ کہہ رہا ہوں اور لوگ راہ پر آچلے ہیں۔ آپ کی تشریف آوری سے جو کچھ اثر ہوا ہے اس کے غت ربود (۱) ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ شاہ صاحب نے

(۱) ختم ہو جانے

اس کے جواب میں تحریر فرمایا میں اجمیر کے قصد سے نہ آؤں گا لیکن چونکہ اجمیر راستے میں پڑے گا اور خواجہ (معین الدین اجمیریؒ) صاحب ہمارے مشائخ میں سے ہیں اس لئے مجھ سے نہ ہو سکے گا کہ میں بلا حاضر ہوئے بالا بالا چلا جاؤں۔ ہاں جب آؤں تو تم وعظ کہنا اور وعظ میں بیان کرنا کہ اسحٰق نے غلطی کی جو اجمیر میں آیا۔ اس کا فعل حجت نہیں اور میرے سامنے کہنا اور یہ خیال نہ کرنا کہ شاید مجھے ناگوار ہو۔ مجھے ہرگز ناگوار نہ ہوگا اور میں اقرار کرلوں گا کہ واقعی میری غلطی ہے۔ اس سے وہ ضرر رفع ہو جائے گا جس کا تم کو اندیشہ ہے۔ اور شاہ صاحب نے یہ بھی تحریر فرمایا کہ یہ مجاور اور قبر پرست ہمارے رقیب ہیں۔ رقیبوں کے ڈر سے محبوب کو نہیں چھوڑا جا سکتا۔

(ارواح ثلاثہ ص:۱۰۸)

جناب مولانا قطب الدین صاحبؒ

(نواب صاحب شاہ محمد اسحٰق صاحب سے بیعت اور حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کے بھی بزرگوں میں سے تھے)

(حضرت امیر شاہ) خان صاحب نے فرمایا کہ مجھ سے مولانا نانوتوی بیان فرماتے تھے کہ نواب قطب الدین خان صاحب بڑے پکے مقلد تھے اور مولوی نذیر حسین صاحب پکے غیر مقلد۔ ان میں آپس میں تحریری مناظرے ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی جنگل میں میری زبان سے یہ نکل گیا کہ اگر کسی قدر نواب صاحب ڈھیلے ہو جائیں اور کسی قدر مولوی نذیر حسین صاحب اپنا تشدد چھوڑ دیں تو جھگڑا مٹ جائے۔ میری اس بات کو کسی نے نواب قطب الدین خان صاحب تک بھی پہنچا دیا اور مولوی نذیر حسین صاحب تک بھی۔ مولوی نذیر حسین صاحب تو سن کر ناراض ہوئے مگر نواب صاحب پر یہ اثر ہوا کہ جہاں میں ٹھہرا ہوا تھا میرے پاس تشریف لائے اور آکر میرے پاؤں پر عمامہ ڈال دیا اور پاؤں پکڑ لئے اور رونے لگے (کیا انتہاء ہے اس للّٰہیت کی،

ایسے بزرگ پر کب گمان ہوسکتا ہے کہ نفسانیت سے مناظرہ کرتے ہیں۔ اشرف علی) اور فرمایا بھائی! جس قدر میری زیادتی ہو خدا کے واسطے تم مجھے یہ بتلا دو میں سخت نادم ہوں اور مجھ سے بجز اس کے کچھ بن نہیں پڑا کہ میں جھوٹ بولوں لہذا میں نے جھوٹ بولا (اور صریح جھوٹ میں نے اسی دن بولا تھا) (چونکہ اس میں کسی کا ضرر نہ تھا اس لئے اباحت کا حکم ہو جاوے گا۔ اشرف علی) اور کہا کہ حضرت آپ میرے بزرگ ہیں میری کیا مجال کہ میں ایسی گستاخی کرتا۔ آپ سے کسی نے غلط کہا ہے۔ غرض میں نے بمشکل ان کے خیال کو بدلا اور بہت دیر تک وہ بھی روتے رہے اور میں بھی روتا رہا۔ یہ قصہ بیان کر کے خان صاحب نے فرمایا کہ جب مولانا نے یہ قصہ بیان فرمایا اس وقت بھی آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے۔ (ارواح ثلاثہ ص:۳۴۲)

جناب نواب وزیر الدولہ مرحوم

(امیر شاہ) خان صاحب نے فرمایا کہ مجھ سے مولوی اسمٰعیل صاحب کاندھلوی نے بیان فرمایا کہ سید صاحب کے لوگوں میں ایک صاحب سید امیر علی تھے جو نہایت متقی و پرہیزگار تھے۔ یہ صاحب نواب وزیر الدولہ کے مقرب تھے اور اہل حاجت کی سفارشیں بہت کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے نواب صاحب سے کوئی سفارش کی اور نواب صاحب نے وعدہ فرما لیا مگر کسی وجہ سے اس کا ایفاء نہ ہو سکا۔ اس پر سید امیر علی صاحب کو غصہ آیا اور سر دربار نواب صاحب کے تھپڑ مار دیا۔ نواب صاحب کا ظرف دیکھئے کہ کچھ نہیں کہا اور خاموش ہو گئے۔ اس کے بعد سید صاحب کے عزیز و اقارب جو ریاست میں موجود تھے، نواب صاحب ان کے پاس گئے اور ان سے سید امیر علی کا واقعہ بیان کیا اور کہا کہ مجھے اس واقعہ سے ذرا ملال نہیں ہوا۔ انہوں نے تو تھپڑ ہی مارا ہے اگر وہ جوتے بھی مار لیتے تب بھی مجھے ملال نہ ہوتا مگر ان سے ذرا اتنا کہہ دیا جاوے کہ حق تعالیٰ نے ریاست کا کام میرے سپرد فرمایا ہے اور اس میں وقار قائم رہنے کی ضرورت ہے اور سر دربار ایسا کرنے سے سیاست میں خلل آتا ہے،

اس لئے وہ دربار میں اس کا لحاظ رکھیں اور تنہائی میں انہیں اختیار ہے چاہے وہ میرے جوتے بھی مار لیں۔

حضرت تھانویؒ اس کے حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں یہ ہے تواضع اور حکمت کا جمع کرنا جو بجز کامل کے کسی سے ممکن نہیں۔ ایک ایک کا منفرد پایا جانا چنداں دشوار نہیں۔ باقی ان بزرگ کا ایسا کرنا کسی حالت کے غلبہ پر محمول ہوگا ورنہ بدوں عذر کے ایسا کرنا جائز نہیں۔ (ارواح ثلاثہ ص: ۳۴۰)

حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلویؒ

(۱) بھاگ جا بھاگ جا تجھے کوئی کچھ نہ کہے گا

قصبہ بڈولی میں ایک دفعہ مولانا وہاں کی سرائے میں ٹھہرے۔ برابر میں ایک بنیا مع اپنے لڑکے کے ٹھہرا ہوا تھا اور لڑکے کے ہاتھ میں سونے کے کڑے تھے۔ مولانا کی اس سے بات چیت ہوتی رہی جیسا کہ سفر میں عادت ہے کہ مسافر آپس میں بات چیت کیا کرتے ہیں۔ اس نے پوچھا میاں جی! کہاں جاؤ گے؟ مولانا نے سب بتلا دیا کہ فلاں جگہ اور فلاں راستہ سے جاؤں گا۔ اس کے بعد مولانا تہجد پڑھ کر روانہ ہوگئے۔ اس لڑکے کے ہاتھ میں سے کسی نے کڑے اتار لئے۔ بنیا اٹھا تو دیکھا کڑے ندارد۔ بس اس کی تو روح فنا ہوگئی دیکھا کہ وہ میاں جی بھی نہیں جن سے رات بات چیت ہو رہی تھی۔ اس نے کہا ہو نہ ہو وہی لے گئے۔ یہ کوئی ٹھگ تھا۔ وہ سیدھا اسی راستہ پر روانہ ہوا جس پر مولانا نے جانے کا ارادہ بیان کیا تھا یہاں تک کہ مولانا اس کو مل گئے۔ بس پہنچتے ہی اس نے ایک دھول رسید کیا۔ مولانا نے کہا کیا ہے؟ کہنے لگا کڑے کہاں ہیں؟ مولانا نے کہا بھائی! میں نے تیرے کڑے نہیں لئے۔ کہاں باتوں سے کیا تو چھوٹ جائے گا؟ میں تجھے تھانے لے چلوں گا۔ کہا کچھ عذر نہیں میں تھانہ بھی چلا چلوں گا۔ غرض وہ مولانا کو پکڑ کر جھنجھانہ کے تھانہ میں پہنچا۔ اتفاقاً تھانے دار مولانا کا

بڑا معتقد تھا۔ اس نے دیکھا کہ مولانا آرہے ہیں کھڑا ہوگیا اور دور سے ہی آلیا۔ یہ دیکھ کر بنئے کے ہوش خطا ہوگئے کہ یہ تو کوئی بڑے شخص معلوم ہوتے ہیں اور ڈرا کہ اب توجوتے پڑیں گے مگر مولانا اس سے کہتے ہیں بھاگ جا بھاگ جا تجھے کوئی کچھ نہ کہے گا۔ تھانہ دار نے مولانا سے پوچھا یہ کون تھا۔ کہا تم اسے کچھ نہ کہو جانے دو اس کی چیز کھو گئی اس کی تلاش میں آیا تھا۔

دیکھئے! کیا بے نفسی ہے۔ لطف یہ کہ نرا عفو ہی نہیں بلکہ مولانا اس کے احسان مند بھی ہوئے چنانچہ فرمایا کرتے تھے کہ اس سے مجھے بڑا نفع ہوا۔ جب لوگ مصافحہ کرتے ہیں میرے ہاتھ پیر چومے جاتے ہیں تو میں نفس سے کہتا ہوں کہ تو وہی ہے جس کے ایک بنیا نے دھول لگایا تھا بس اس سے عجب نہیں ہوتا۔

(آپ بیتی حضرت شیخ الحدیث ص:۲۳۹ بحوالہ حسن العزیز مصنفہ حضرت تھانویؒ ص:۲۳۹ ج:۴)

(۲) ستانے والی بیوی کے ساتھ درگذر کا معاملہ

''کیرانہ'' میں ایک رافضی عورت تھی۔ آپ نے اسے اہل سنت والجماعت ہونے کی ترغیب دی۔ اس نے کہا کہ اگر آپ نکاح کریں تو میں توبہ کرلوں گی۔ آپ نے منظور فرمالیا۔ یہ بھی بیوہ تھی۔ اس نے کہا کہ جب موقع ہوگا میں خط لکھوں گی تم آکر لے جانا۔ محرم کے موقعہ پر جب عورتیں قصبہ سے باہر تعزیے دیکھنے گئیں تو ان کا پرچہ مولوی صاحب کے پاس آیا جس میں یہ نشان تھا (×) آپ نے مولوی محمد صادق صاحب اور چند آدمیوں کو ڈولی دے کر کیرانہ بھیجا اور یہ رات کو گیارہ بجے کیرانہ جاکر ان کو لے آئے۔ جب کیرانہ والوں کو معلوم ہوا تو انہوں نے تعاقب کیا۔ یہاں سے بھی ان کی اعانت کو لوگ گئے مگر مولوی محمد صادق ان کے ہاتھ نہ آئے اور بخیر کاندھلہ پہنچ گئے۔ ان محترمہ نے حضرت کو بہت تکالیف پہنچائیں مگر آپ سب سہتے تھے۔ اکثر رات کو دروازہ بند کرلیا کرتی تھیں اور حضرت دروازہ کے باہر لنگی بچھا کر نماز میں وہ

وقت گذارا کرتے تھے۔اول حصہ میں دوسری بیوی کو جو بیوہ تھیں ترجمہ قرآن شریف پڑھایا کرتے تھے۔دوسرے حصہ میں صاحب زادیوں کو ترجمہ پڑھایا کرتے تھے۔ تیسرا حصہ کیرانہ والی بیوی کا تھا جس میں ان کے یہاں جا کر تہجد پڑھا کرتے تھے۔

(ارواح ثلاثہ ص:۱۸۵،۱۸۶)

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

(۱) مخالفین سے سلوک

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہ تحریر فرماتے ہیں:

اکابر علماء دیوبند کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ وہ اپنے مخالف مسلک والوں سے بھی بداخلاقی کا برتاؤ نہیں کرتے تھے، نہ ان کی تردید میں دل آزار اسلوب کو پسند کرتے تھے بلکہ جہاں تک ہوسکتا بداخلاقی کا جواب خوش خلقی سے دیتے اور مخالفین کی دینی ہمدردی وخیر خواہی کو پیش نظر رکھتے تھے۔حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کے خادم خاص حضرت امیر شاہ خان صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ مولانا ''خورجہ'' تشریف لائے اور وہاں ایک مجلس میں مولوی فضل رسول بدایونی کا تذکرہ چل گیا (چونکہ وہ مخالف مسلک کے تھے) میری زبان سے (طنز کے طور پر) بجائے فضل رسول کے فصل رسول نکل گیا۔مولانا نے ناخوش ہوکر فرمایا کہ لوگ ان کو کیا کہتے ہیں؟ میں نے کہا فضل رسول۔آپ نے فرمایا تم فصل رسول کیوں کہتے ہو؟

حضرت تھانویؒ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں یہ حضرات تھے جو ''لَا تَلْمِزُوْا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ'' کے پورے عامل تھے حتی کہ مخالفین کے

---

(۱) الحجرات، ۱۱ (ترجمہ: اور نہ آپس میں ایک دوسرے کو طعنہ دیا کرو اور نہ ایک دوسرے کو برے لقب سے پکارا کرو۔)

معاملہ میں بھی۔ (اکابر دیوبند کیا تھے؟ ص: ۱۱۳ بحوالہ ارواح ثلاثہ ص: ۲۲۸)

(۲) یہ عجیب آدمی ہے جس نے قرآن ہی الٹا پڑھ دیا

مولانا اُمراء سے بہت گھبراتے تھے اور کسی امیر سے ملاقات کا موقع نہیں آنے دیتے تھے۔ ''خورجہ'' کے ایک رئیس برسوں سے تمنا میں تھے کہ میرے گھر پر ایک دفعہ حضرت والا آجائیں مگر وہ کامیاب نہ ہوتے تھے۔ اتفاق سے جنگ روم و روس چھڑ گئی اور حضرت نے ترکوں کی اعانت کیلئے چندہ کی تحریک شروع کی جو اس زمانہ میں سلطانی چندہ کے نام سے معروف ہوئی۔ ان رئیس صاحب کیلئے یہ زریں موقع ہاتھ لگ گیا۔ انہوں نے کہلوایا کہ اگر حضرت والا ان کے گھر تشریف لاکر وعظ فرمائیں تو وہ سلطانی چندہ میں دس ہزار روپیہ دیں گے۔ حضرت نے منظور فرمالیا اور ان کے یہاں وعظ فرمایا۔ انہوں نے حسب وعدہ دس ہزار روپے پیش کئے۔ ختم مجلس پر حضرت اٹھے تو مجمع بھی اٹھا اور لوگوں میں حضرت کی مہمانی کے بارہ میں کہا سنی ہوئی اور ردوکد ہونے لگی۔ ہر شخص یہ چاہتا تھا کہ حضرت کو اپنے گھر لے جاکے مہمان بناؤں۔ لوگ تو اس جھگڑے اور بحث میں سرگرداں تھے اور حضرت اسی ہجوم میں آہستہ سے نکل کر روانہ ہوگئے۔ مغرب کا وقت آچکا تھا، اذان ہونے والی تھی۔ حضرت والا شہر کے کنارے ایک غیر معروف مسجد میں پہنچے۔ وہاں اتفاق سے امام مسجد نہ تھا۔ لوگوں میں تشویش ہوئی کہ نماز کون پڑھائے۔ ہر ایک دوسرے پر ٹالتا تھا۔ چند ایک نے حضرت سے کہا کہ بھائی تم ہی نماز پڑھادو۔ (یہ لوگ حضرت کو پہچانتے نہ تھے) مگر حضرت عذر فرماتے رہے۔ جب کوئی بھی امامت کیلئے تیار نہ ہوا تو لوگوں نے حضرت سے یہ کہہ کر زبردستی امامت کیلئے مصلے پر دھکیل دیا کہ بندہ خدا! مسلمان تو ہے کیا تجھے دو چار سورتیں بھی قرآن شریف کی یاد نہیں جو امامت سے اتنا گھبرا رہا ہے۔ حضرت نے اب مجبور ہو کر امامت کرائی مگر عجیب اتفاق یہ پیش آیا کہ پہلی رکعت میں تو قل اعوذ برب الناس پڑھ گئے اور دوسری میں قل اعوذ برب الفلق۔ ختم نماز پر اس مسجد کے نمازیوں میں چہ میگوئیاں شروع ہوئیں

کہ یہ عجیب آدمی ہے جس نے قرآن ہی الٹا پڑھ دیا۔ حضرت نے فرمایا بھائی میں تو پہلے ہی کہتا تھا کہ میں امامت کے لائق نہیں ہوں۔ لوگوں نے کہا کسی کو کیا پتہ تھا کہ تو قرآن بھی سیدھا پڑھنا نہیں جانتا۔ حضرت نے اس پر فرمایا کہ مولویوں سے یہ سنا ہے کہ نماز تو اس طرح بھی ہو جاتی ہے۔ اس پر لوگوں نے تند لہجہ میں کہا چوری اور سینہ زوری۔ ایک تو نماز الٹی پڑھا دی اور اوپر سے مولویوں کو بدنام بھی کرے ہے۔ یہاں یہ جھگڑا اچل رہا تھا کہ حضرت کو ڈھونڈتی ہوئی ایک جماعت ادھر آنکلی اور دیکھا کہ حضرت جاہلوں میں گھرے ہیں تب انہوں نے لوگوں کو بتلایا کہ تم کس کے ساتھ یہ معاملہ کر رہے ہو۔ یہ تو مولانا محمد قاسم صاحب ہیں۔ اس پر لوگ نادم ہوئے اور عجز و نیاز سے معافی کے خواستگار رہوئے۔

(آپ بیتی ص: ۲۴۶، ۲۴۷ بحوالہ سوانح قاسمی ص: ۳۹۵ ج:۱)

شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ

خان صاحب نے فرمایا کہ ایک شخص پنجابی ڈاکٹر مکہ معظمہ گیا تھا۔ حافظ صاحب کی بیوی سے ان کا نکاح ہو گیا تھا۔ اس نکاح میں کچھ باتیں حضرت حاجی صاحب کی طبیعت کے خلاف بھی ہوئی تھیں اور یہ ڈاکٹر کچھ اچھا آدمی بھی نہیں تھا چنانچہ میں اس کو مکہ جانے سے پہلے سے جانتا تھا۔ اس ڈاکٹر نے ایک مرتبہ گستاخانہ طور پر حضرت حاجی صاحب سے کہا کہ مجھے تو آپ کے اندر کوئی کمال نظر نہیں آتا۔ رہی آپ کی شہرت سو یہ مولوی رشید احمد صاحب اور مولوی محمد قاسم صاحب کی وجہ سے ہوئی ہے۔ پھر مجھے حیرت ہے کہ مولوی رشید احمد صاحب اور مولوی قاسم صاحب آپ سے بیعت کس طرح ہو گئے۔ اللہ رے نفوس قدسیہ کہ اس کو سن کر ذرا تغیر نہیں ہوا اور مسکرا کر فرمایا کہ ہاں بھائی بات تو ٹھیک کہتے ہو مجھے خود بھی حیرت ہے کہ یہ حضرات میرے کیوں معتقد ہو گئے اور لوگ مجھے کیوں مانتے ہیں۔ (ارواح ثلاثہ ص:۱۵۶)

امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ

(۱) مولوی احمد رضا خان بریلوی آپ کے سب سے بڑے مخالف تھے اور اگر ان کے فتاوی کو جمع کیا جائے جو حضرت امام ربانی کے متعلق لکھے ہیں تو ایک رسالہ بن سکتا ہے اور ان کی تمام کوششوں کو شمار کیا جائے جو انہوں نے حضرت امام ربانی کی تکفیر کے متعلق روا رکھیں تو دل خون کے آنسو روتا ہے کہ کاش! وہ اس مشغلہ کی بجائے بطحائی پیغمبر کی سنتوں کو زندہ کرنے پر صرف کرتے۔ ان صاحب سے حضرت گنگوہی کو اتنی ایذائیں پہنچیں کہ شاید انہوں نے کسی دوسرے کو نہ پہنچائی ہوں مگر جو ہستی خلق پیغمبر کا نمونہ بن کر آئی ہو اور دنیا کو اسوہ حسنہ ﷺ پر چلنے کی ترغیب و مشق پر جس نے ساری عمر اپنے آپ کو لگا رکھا ہو اس کی زبان سے بھلا کیوں اپنے مخالف کیلئے کوئی برا لفظ نکلتا۔ اس بارے میں حلف اٹھایا جا سکتا ہے کہ حضرت سے تاعمر کوئی ایسا لفظ نہیں سنا گیا کہ جس سے یہ معلوم ہو کہ آپ ان کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔ جس زمانہ میں مولوی احمد رضا صاحب کو مرض جذام ہوا اور خون میں فساد پیدا ہوا، بعض لوگوں کو مسرت ہوئی کہ سب وشتم کا ثمرہ دنیا میں ظاہر ہوا مگر جس وقت کسی شخص نے حضرت سے عرض کیا کہ بریلی مولوی کوڑھی ہو گئے تو حضرت گھبرا اٹھے اور یہ الفاظ فرمائے کہ میاں کسی کی مصیبت پر خوش نہ ہونا چاہئے۔ خدا جانے اپنی تقدیر میں کیا لکھا ہے؟

(بیں بڑے مسلمان ص:۱۹۳)

(۲) بریلی کے مولوی احمد رضا خان نے اکابر دیوبند کی تکفیر اور ان پر سب وشتم کا جو طریقہ اختیار کیا تھا وہ ہر پڑھے لکھے انسان کو معلوم ہے۔ ان فرشتہ صفت اکابر پر گالیوں کی بوچھاڑ کرنے میں انہوں نے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی لیکن حضرت گنگوہیؒ نے جو اس دشنام طرازی کا سب سے بڑا نشانہ تھے، ایک روز اپنے شاگرد رشید حضرت مولانا محمد یحیی صاحب کاندھلوی سے فرمایا کہ ان کی تصنیفیں ہمیں سنا دو۔ حضرت مولانا محمد یحیی صاحب نے عرض کیا کہ ان میں تو گالیاں ہیں۔ اس پر حضرت گنگوہی نے فرمایا

اجی دور کی گالیوں کا کیا ہے، پڑی (یعنی بلا سے) گالیاں ہوں تم سناؤ۔ آخر اس کے دلائل تو دیکھیں شاید کوئی معقول بات ہی لکھی ہو تو ہم ہی رجوع کر لیں۔

(ارواح ثلاثہ ص:۲۱۱)

اللہ اکبر! یہ ہے حق پرستوں کا شیوہ کہ مخالفین بلکہ دشمنوں کی باتیں بھی ان کی دشنام طرازیوں سے قطع نظر اس نیت سے سنی جائیں کہ اگر اس سے اپنی کوئی غلطی معلوم ہو تو اس سے رجوع کر لیا جائے۔ (اکابر دیوبند کیا تھے؟ ص:۱۱۴)

(۳) حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی صاحب میرٹھی نور اللہ مرقدہ تحریر فرماتے ہیں:

ذکر اللہ اور دین میں کام آنے والے مشغلہ کے علاوہ دوسرے جھگڑے میں مصروف ہونا اپنے خدام کا بھی آپ کو پسند نہ تھا۔ مولانا مولوی سراج احمد صاحب نے ایک مرتبہ چاہا کہ مولوی احمد رضا صاحب کی فحش گوئی کا ترکی بہ ترکی جواب دیں۔ ہر چند حسن تقریر سے انہوں نے کوشش کی حضرت صراحۃً حکم نہ دیں تو ایماء ہی فرما دیں مگر حضرت نے صرف اتنا فرمایا میاں کیا دھرا ہے ان قصوں میں۔ ان کی تحریر کا جواب لکھنے سے کوئی نفع نہیں تضییع اوقات ہے۔ امید نہیں کہ وہ مانیں۔ ایسی صورت میں جب آپ کے خدام کی خواہش جواب لکھنے کی ظاہر ہوئی تو آپ نے ان کو روک دیا اور یوں ارشاد فرمایا کہ آدمی جس قدر وقت برائی میں صرف کرے اتنے وقت اگر اللہ اللہ کرے تو کتنا نفع ہو۔ (تذکرۃ الرشید ص:۶۸ ج:۲)

(۴) ایک دن ڈاک میں خط آیا جس میں اطلاع تھی کہ آپ کے ایک بڑے مخالف مولوی ہدایت رسول کو ایک منکوحہ عورت سے نکاح کرنے کے جرم میں عدالت سے سزائے قید کا حکم سنایا گیا ہے۔ بعض سامعین کو مسرت ہوئی مگر آپ کی زبان سے بے ساختہ نکلا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (بیس بڑے مسلمان ص:۱۹۳)

حضرت حاجی شاہ عابد حسین صاحب دیو بندیؒ سابق مہتمم دار العلوم دیو بند

(حضرت تھانویؒ نے) فرمایا کہ حاجی محمد عابد صاحب کے زمانہ اہتمام میں ایک عالم کسی انتظام میں آپ سے خفا ہوگیا اور مقابلہ میں برا بھلا کہا۔ حضرت حاجی صاحب خاموش ہوگئے۔ دوسرے وقت ڈومنی والی مسجد میں جہاں وہ طالب علم رہتا تھا خود تشریف لے گئے اور ان طالب علم کے سامنے ہاتھ جوڑ کر بیٹھے اور فرمایا کہ مولانا! معاف کر دیجئے، آپ نائب رسول ہیں آپ کا ناراض رکھنا مجھے گوارا نہیں ہے۔ ہمارے حضرت (تھانویؒ) نے فرمایا کہ مہتمم اور ایک ادنی طالب علم کے سامنے ان کا یہ حال۔ اب تو امید نہیں کہ ایسے لوگ پیدا ہوں۔ روز بروز تغیر ہوتا جاتا ہے۔ سچ ہے۔

حریفاں بادہا خوردند و رفتند　　　تہی خمخانہ کردند و رفتند

(ارواح ثلاثہ ص: ۳۳۷)

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیو بندیؒ

(۱) علم وتقوی کا مقام بلند

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہ تحریر فرماتے ہیں:

مولانا احمد حسن صاحب پنجابی مدرس کانپور نے ''ابطالِ امکانِ کذب'' میں ایک مبسوط رسالہ تحریر کر کے شائع کیا جس میں حضرت مولانا محمد اسماعیل شہید اور ان کے ہم عقیدہ حضرات کو فرقہ ضالہ ''مزداریہ'' میں (جو معتزلہ میں سے ایک گروہ ہے) داخل کر دیا اور اس پر تقریظ لکھنے والوں نے اکابر دیو بند کی نسبت زبان درازی کی انتہا کر دی۔ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن کو یہ رسالہ دیکھ کر طیش تو بہت آیا لیکن علم

وتقوی کا مقامِ بلند ملاحظہ فرمایئے گا کہ غیظ وغضب کے جذبات کو پی کر ارشاد فرمایا ان گستاخ لوگوں کو برا کہنے سے تو اکابر کا انتقام پورا نہیں لیا جا سکتا اور ان کے اکابر کی نسبت کچھ کہہ کر اگر دل ٹھنڈا کیا جائے تو وہ لوگ معذور بے قصور ہیں۔

(اکابر دیوبند کیا تھے؟ ص:۱۱۵ بحوالہ حیات شیخ الہند ص:۱۸۳)

(۲) کافر قرار دینے والوں کو جواب

احقر نے اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم سے سنا ہے کہ حضرت شیخ الہند کے متعلقین میں سے کسی صاحب نے اہل بدعت کی تردید میں ایک رسالہ لکھا تھا۔ اہل بدعت نے اس کا جو رد لکھا اس میں انہیں کافر قرار دیا۔ اس عمل کے جواب میں ان صاحب نے دو شعر کہے ؎

مرا کافر اگر گفتی غمے نیست   چراغ کذب را نبود فروغے

مسلمانت بخوانم در جوابش   دروغے را جزا باشد دروغے

تم نے مجھے کافر کہا، مجھے اس کا غم نہیں کیونکہ جھوٹ کا چراغ جلا نہیں کرتا۔ میں اس کے جواب میں تمہیں مسلمان کہوں گا کیوں کہ جھوٹ کی سزا جھوٹ ہی ہو سکتی ہے۔

انہوں نے حضرت شیخ الہند کو یہ شعر سنائے تو آپ نے شعری لطافت کی تو تعریف کی لیکن ساتھ ہی ارشاد ہوا کہ تم نے ان کو لطافت کے ساتھ ہی سہی کافر تو کہہ دیا حالانکہ فتوی کی رو سے وہ کافر نہیں ہیں اس لئے ان اشعار میں اس طرح ترمیم کر لو۔

مرا کافر اگر گفتی غمے نیست   چراغ کذب را نبود فروغے

مسلمانت بخوانم در جوابش   دہم شکر بجائے تلخ دوغے

اگر تو مؤمنی فبہا والا   دروغے را جزا باشد دروغے

تم نے مجھے کافر کہا، مجھ کو اس کا غم نہیں، کیونکہ جھوٹ کا چراغ جلا نہیں کرتا۔ میں اس کے جواب میں تمہیں مسلمان کہوں گا اور تلخی کا جواب شیرینی سے دوں گا۔ اگر تم واقعی مؤمن ہو تو خیر ورنہ جھوٹ کی سزا جھوٹ ہی ہو سکتی ہے۔

(۳) جس کو ترجمہ بھی صحیح کرنا نہ آوے اس کو وعظ کہنا جائز نہیں

ایک مرتبہ حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی مراد آباد کے جلسہ میں تشریف لے گئے۔ لوگوں نے وعظ کیلئے اصرار کیا۔ مولانا نے عذر فرمایا کہ مجھے عادت نہیں ہے مگر لوگوں نے نہ مانا۔ آخر میں مولانا کھڑے ہوئے اور حدیث ''**فقیه واحد اشد علی الشیطان من الف عابد**'' پڑھی اور اس کا ترجمہ یہ کیا کہ ایک عالم شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے۔ وہاں ایک مشہور عالم تھے، وہ کھڑے ہوئے اور کہا کہ یہ ترجمہ غلط ہے اور جس کو ترجمہ بھی صحیح کرنا نہ آوے اس کو وعظ کہنا جائز نہیں۔ پس مولانا فوراً ہی بیٹھ گئے اور فرمایا کہ میں تو پہلے ہی کہتا تھا کہ مجھے وعظ کی لیاقت نہیں ہے مگر ان لوگوں نے نہیں مانا۔ خیر اب میرے پاس عذر کی دلیل بھی ہو گئی یعنی آپ کی شہادت۔ پھر حضرت نے ان بزرگ سے بطرز استفادہ پوچھا کہ غلطی کیا ہے تاکہ آئندہ بچوں؟ انہوں نے فرمایا کہ اشد کا معنی اثقل کا نہیں آتا بلکہ اضر کا آتا ہے۔ مولانا نے فی الفور فرمایا کہ حدیث وحی میں ہے ''**یَأْتِیْنِیْ مِثْلُ صَلْصَلَةِ الْجَرَسِ وَهُوَ اَشَدُّ عَلَیَّ**'' (۱) کیا یہاں بھی اضرّ کے معنی ہیں؟ وہ دم بخود رہ گئے۔ (ارواح ثلاثہ ص:۳۵۶)

---

(۱) بعض مرتبہ میرے پاس وحی گھنٹیوں کی آواز کی شکل میں ہوتی ہے جو میرے لئے اشد ہوتی ہے۔ (بخاری باب بدء الوحی)

مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب حسنیؒ

والد محترم مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

(۱) اخلاق کریمہ

مولانا کے فرزند اکبر مولوی حکیم ڈاکٹر سید عبدالولی صاحب جو مولانا کی وفات کے وقت جوان وصاحب اولاد تھے اور دینی علوم کی تکمیل کرنے کے بعد طب جدید کی تعلیم میں مشغول تھے، اکابر علماء اور اپنے وقت کے صلحاء کی آنکھیں دیکھے ہوئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ذہانت وقوت مشاہدہ سے بھی نوازا تھا۔ انہوں نے اپنے والد ماجد کی زندگی، معاشرت اور اخلاق وعادات کا بہت غور سے مطالعہ کیا تھا اور ایک سعید اولاد اور ذہین عالم کی حیثیت سے ان کے باریک سے باریک اور مخفی سے مخفی پہلوؤں سے واقف تھے۔ اس لئے بمصداق ''صَاحِبُ الْبَیْتِ أَدْرَیٰ بِمَا فِیْهِ ''(۱) ان کی شہادت اور ان کا بیان ایک واقف کارترین آدمی کا بیان ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

آپ نہایت حلیم، متین، صابر، متوکل، خلوت پسند، حق گو، راست باز، آزاد خیال، راضی برضائے حق، محبّ ملک وقوم، ہمدرد بنی آدم، رقیق القلب، کریم النفس بزرگ تھے۔ نمود ونمائش سے آپ کو سخت نفرت تھی۔ کسی کو نقصان پہنچانا یا کسی کا دل دکھانا آپ کے مذہب میں کفر تھا۔ خود تو کجا، اگر کسی کے متعلق سن لیتے تو اس سے نفرت ہو جاتی۔ (حیات عبدالحی ص:۲۴۴)

(۲) صلہ رحمی اور اصلاح ذات البین کی کوشش

پھر اس کے بعد (اپنے رسالہ ''الاصلاح'' میں) صلہ رحم کے فوائد جو احادیث صحیحہ میں وارد ہوئے ہیں، ذوی القربی کا مرتبہ اور درجہ قرآن وحدیث کی روشنی میں اور

---

(۱) گھر میں رہنے والا ہی گھر میں موجود اشیاء کے بارے میں زیادہ بہتر جانتا ہے۔

قرابت داروں کے حقوق از روئے شریعت وسیرت بیان کئے ہیں اور تفصیل کے ساتھ واقعہ افک میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ پر اتہام پر حضرت ابو بکرؓ کی برہمی، پھر قرآن کی ہدایت کے بعد ان کا حضرت مسطح کے ساتھ سلوک کے واقعہ کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا اور اس سے ذاتی ایثار وقربانی کا سبق لینے کی تلقین کی۔ اس کے بعد بڑے جوش ودرد کے ساتھ لکھتے ہیں:

مسلمانو! حضرت ابو بکر صدیقؓ کی قوت ایمانی کا نتیجہ تھا وہ مغفرت کی خوشخبری کو سنتے ہی اپنے دکھ درد کو بھول گئے اور جس کو وہ ساری دنیا سے زیادہ اپنا بدخواہ اور دشمن سمجھتے ہوں گے، اس کے ساتھ پھر سلوک کرنے لگے۔ ایک ہم ہیں جو ذرا ذرا سی باتوں پر اپنے عزیزوں سے روٹھے رہتے ہیں، بولنا چالنا بند کردیتے ہیں ان کی جان ومال، عزت وآبرو کے درپے ہو جاتے ہیں ان پر مقدمے چلائے جاتے ہیں، مقدموں میں کامیاب ہونے کیلئے جھوٹے گواہ بناتے ہیں، جعلی دستاویزیں تیار کرتے ہیں، عمال کو رشوت دیتے ہیں اور جو ہم میں زیادہ من چلے ہیں وہ حریفوں کو زیر کرنے کیلئے ان کے گھر میں چوریاں کرواتے ہیں، ان کے کھلیانوں میں آگ لگوادیتے ہیں، ان کے گھر میں افیون رکھ کر پولیس کے ذریعہ سے ان پر فوجداری کے مقدمے کرا دیتے ہیں، جو ان سے بھی زیادہ من چلے ہیں وہ بدمعاشوں کی راہ ہموار کر کے ان کو مروا ڈالتے ہیں اور پھر یہ خوش فہم اپنے کو مسلمان سمجھتے ہیں۔

گر مسلمانی ہمیں است کہ حافظ دارد　　　　وائے گر در پے امروز بود فردائے

(حیات عبدالحی ص:۲۵۲،۲۵۳)

(۳) بے تعصبی اور فراخ دلی

مولانا سید عبدالحی صاحب مرحوم نے اولاً تو (اپنی معرکۃ الآراء کتاب) ''نزہۃ الخواطر'' کا دائرۂ کار کسی ایک اسلامی فرقہ اور مسلک مثلاً اہل سنت یا احناف

تک محدود نہیں رکھا بلکہ انہوں نے تمام مذاہب فقہیہ کے پیروؤں، اہل حدیث حتی کہ فرقہ امامیہ کے علماء واہل فضل کو بھی لیا۔ دوسرے انہوں نے تاریخ وتذکرہ کی حد تک ''اعط کل ذی حق حقه'' (۱) اور ''انزلوا الناس منازلهم'' (۲) پر عمل کرنے کی امکانی کوشش کی۔ صاحب ترجمہ کے مخصوص عقیدہ، فرقہ اور اس کے انحراف وشذوذ کا ذکر کرنے کے ساتھ اس کے علمی وذہنی کمالات کا دریا دلی کے ساتھ اعتراف کیا ہے۔ اس کتاب میں ان کے علم ومطالعہ کی حد تک فرقہ اثنا عشریہ کے مشہور علماء ومجتہدین کا پورا تذکرہ آگیا ہے اور آدمی اس کتاب کے مطالعہ سے ان کا علمی درجہ متعین کر دیتا ہے اور ان کی علمی کاوشوں سے واقف ہوسکتا ہے۔ اسی طرح اس میں مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی کے حالات بھی مذکور ہیں جنہوں نے ندوۃ العلماء کی تحریک کی پرزور مخالفت کی اور اس تحریک کی زندگی مشکل کر دی۔ اسی کے ساتھ مصنف نے بعض اکابر واسلاف کی تکفیر کا بھی بیڑہ اٹھایا اور ہندوستان کی حد تک وہ اس سلسلہ کے بانی اور داعی ہیں۔ (حیات عبدالحی ص:۲۹۴)

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ

(۱) ایک حاسد بریلوی کی حرکت

ایک حاسد بریلوی نے خدام حرم نبوی ﷺ کے افسرِ اعلیٰ کو جو ایک ترکی تھا حضرت کی طرف سے اس طرح مشتعل کیا کہ اس وقت حرم نبوی میں بیٹھا ہوا ایک شخص درس دے رہا ہے جو (معاذ اللہ) رسول اللہ ﷺ کی شان میں اچھا اعتقاد نہیں رکھتا بلکہ گستاخی کرتا ہے۔ ترکی افسر یہ سن کر جھلا گیا اور غصہ میں سرخ ہو کر باب الرحمۃ کے

---

(۱) ہر حق والے کو اس کا حق دو۔

(۲) لوگوں کے مرتبے کے مطابق ان سے سلوک کرو۔

قریب پہنچا جہاں حضرت درس دے رہے تھے۔ حضرت کا چہرہ مبارک دیکھ کر ترکی افسر کا غصہ یکلخت ٹھنڈا ہو گیا اور وہ کچھ دیر کھڑا ہوا درس سنتا رہا، پھر بے ساختہ بولا اے شیخ! اس وقت ایک شخص نے مجھ سے اس طرح شکایت کی ہے مگر میں آپ کی صورت دیکھ کر سمجھ گیا ہوں کہ وہ جھوٹا ہے "وما هذا وجه كذاب" اور آپ کا چہرہ جھوٹوں کا سا نہیں ہے۔ حضرت نے فرمایا:

أُولٰئِكَ يَفْتَرُوْنَ عَلَيْنَا وَعَلٰى اَكَابِرِنَا وَيُحَرِّفُوْنَ اَقْوَالَنَا فَنُفَوِّضُ اَمْرَهُمْ وَاَمْرَنَا اِلَى اللّٰهِ"

ترجمہ: وہ لوگ ہم پر اور ہمارے اکابر پر بہتان لگاتے اور ہماری باتوں کو الٹ پلٹ کر غلط طور سے مشہور کرتے ہیں۔ ہم اپنا اور ان کا معاملہ خدا کے سپرد کرتے ہیں۔

اس کے بعد افسر نے کہا کہ آپ مطمئن رہیں اور اپنا بابرکت درس جاری رکھیں مگر آپ کے مدنی تلامذہ نے جو خوش حال ونازک مزاج تھے اس قصہ کا اتنا اثر لیا کہ دوسرا بڑا مکان خالی کر کے حضرت کو مجبور کیا کہ ہم کو وہاں درس دیں تاکہ آئندہ ہم اپنے شیخ کے متعلق کوئی لفظ ایسا نہ سن سکیں جس کی برداشت نہ ہو سکے اور مسجد شریف میں زبان یا ہاتھ سے جواب دینے کی نوبت آوے چنانچہ اگلے دن سے حضرت نے وہاں درس دیا اور سب کو اجازت وسند عطا فرمائی۔ (تذکرۃ الخلیل ص: ۲۸۷)

(۲) اختلاف میں اخلاق کریمانہ کا مظاہرہ

فقہ میں کمال درجہ کی مہارت کے باوجود آپ کو کسی کمال پر ناز نہ تھا اور نہ ضد تھی۔ ایک بار آپ تھانہ بھون گئے اور فساد صلوۃ بمحاذاۃ النساء (عورت کے برابر ہو جانے سے مرد کی نماز کا ٹوٹ جانے) کے مسئلہ میں مولوی احمد حسن سنبھلی کا حضرت سے مکالمہ ہوا۔ حضرت "حنفیہ کے قول کو قوی فرما رہے تھے اور مولوی احمد حسن ضعیف۔ حضرت

نے فرمایا تم پہلے میری تقریر سن لو پھر جو کہنا ہے وہ کہنا مگر مولوی صاحب نے درمیان میں آپ کا کلام قطع کرنا شروع کر دیا۔ حضرت کو تکدر ہوا اور لہجہ میں تیزی آ گئی۔ مولوی احمد حسن بھی تیزی پر آ گئے تب آپ نے تحمل کیا اور خاموش ہو گئے۔ جب آپ ریل پر آنے لگے تو آپ نے خود ابتداء بالسلام کی اور مصافحہ کیلئے ہاتھ بڑھا کر فرمایا اگر مجھ سے کچھ گستاخی آپ کی شان میں ہو گئی ہو تو معاف فرما دینا۔ (۱) اس بندۂ خدا نے اس پر بھی کوئی معذرت نہیں کی۔ (ص:۲۹۷)

تذکرۃ الخلیل میں تو یہ قصہ اتنا ہی نقل کیا ہے لیکن حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ کو اس واقعہ سے بہت قلق ہوا اور مولوی احمد حسن کو تنبیہ بھی کی کہ اکابر کے سامنے یوں گستاخانہ گفتگو نہیں کرنی چاہئے۔ (آپ بیتی شیخ الحدیث ص:۳۳۴ ج:۲)

(۳) انداز تحریر

بعض سالکین جن پر بغض فی اللہ کا غلبہ ہوتا کہ وہ اپنے عزیزوں کے ساتھ جن کو معاصی یا بد عقیدگی میں منہمک پاتے تو کوئی تعلق نہ رکھ سکتے تھے تو آپ اس کو اعتدال پر لانے کیلئے فرمایا کرتے کہ میاں! خدا بن کر تو تم نہیں آئے۔ اس کی مخلوق ہے وہ جو چاہتا ہے ان سے کام لیتا ہے اللہ کی مشیت یہی ہے کہ کافر اور مؤمن، فاسق اور صالح سب اس دنیا میں آباد رہیں کہ شروع سے عالم کو اسی طرح چلایا ہے۔ نرمی وشفقت کے ساتھ ان کو سمجھاؤ۔ کوئی نہ مانے تو یہ سمجھ کر کہ اللہ کی مشیت یوں ہی ہے چپ ہو جاؤ مگر قطع رحمی نہ کرو۔ خود مجھ پر یہ حالت گذری کہ اپنے خاندان کے بعض بڑوں کو مبتلائے بدعات یا بے نمازی دیکھتا تو اندر ہی اندر جھرا کرتا تھا کہ نہ زور کے ساتھ نصیحت پر قدرت تھی اور نہ ان کی یہ غفلت ضبط ہو سکتی تھی۔ حضرت کو لکھا تو آپ کا والا نامہ آیا:

---

(۱) حالانکہ مولوی صاحب حضرت تھانویؒ سے بیعت تھے اور حضرت تھانوی خود حضرت سہارنپوری کا بے انتہا ادب کرتے تھے۔ بعد میں ان کا میلان اہل حدیث کی طرف ہو گیا تھا اور تھانہ بھون سے الگ کر دئے گئے تھے۔

السلام علیکم! بغور سنو خداوند تعالیٰ جل وعلی شانہ نے دنیا میں کافر اور مسلم، دیندار اور بددین، حسن اور قبیح پیدا فرمائے اور ہر ایک کو لِمَا خُلِقَ لَہٗ (اس عمل کیلئے جس کیلئے وہ پیدا کیا گیا ہے) کی طرف رغبت دی۔ تم کسی پر داروغہ کر کے نہیں بھیجے گئے۔ تم بقدر وسعت امر بالمعروف کے مأمور ہو اور جب نہ کر سکو تو خدا کی مخلوق کو خدا پر حوالہ کرو۔ پھر کسی حالت کا مشاہدہ آپ کیلئے کیوں سوہان روح ہے۔ دنیا میں جو چیز پیدا ہوئی ہے کتنی ہی قبیح ہو حکمت سے خالی نہیں۔ پھر قاضی شہر کے اندیشہ سے کیوں دبلا ہو۔

(تذکرۃ الخلیل ص: ۳۹۸)

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ
سابق مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند

حضرت مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم تحریر فرماتے ہیں:

حضرت والد صاحب قدس سرہ نے ''فتاوی دارالعلوم دیوبند'' کے شروع میں حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کے کچھ حالات تحریر فرمائے ہیں، اسی میں آپ لکھتے ہیں:

قریباً ۱۳۲۵ھ میں جب احقر نے درجہ فارسی میں تعلیمی داخلہ لیا، اس وقت سے حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کو دور اور نزدیک سے دیکھنے کا مسلسل اتفاق ہوتا رہا۔ اس طرح بیس سال تک حضرت ممدوح سے متعارف ہونے، پھر خدمت میں رہنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ اس طویل مدت میں میں نے کبھی ایک دفعہ بھی یہ نہیں دیکھا کہ حضرت ممدوح کو کسی پر غصہ آرہا ہے۔ اس کے متعلق ڈانٹ اور تنبیہ کے معمولی الفاظ بھی کہہ رہے ہیں۔ حلم وکرم اور حیاء ومروت کا مجسمہ تھے۔ بڑے بڑے زبان دراز دشمنوں سے بھی سابقے پڑے مگر اس مرد خدا کی زبان پر ادب وتعظیم کے سوا کوئی

دوسرا لفظ چلتا ہی نہ تھا۔ مجھے کبھی یاد نہیں کہ ان کی مجلس میں کسی برے سے برے آدمی کی برائی کا بھی ذکر ہوتا ہو اور کسی کی غیبت کا تو تصور کیا ہو سکتا ہے۔ ان کے مواجہہ میں اگر کوئی شخص کسی معاملہ میں کوئی غلط بات بھی کہتا تو غایت حیاء ومروت سے یہ کبھی نہ فرماتے تھے کہ تم یہ بات غلط کہہ رہے ہو بلکہ اس کی بات کا صحیح حل تلاش کر کے یوں فرماتے تھے: گویا آپ کا مطلب یہ ہے۔ اس طرح اس کی غلطی کی بھی اصلاح فرما دیتے اور تغلیط وتردید کے الفاظ سے بچ جاتے تھے۔ (اکابر دیوبند کیا تھے؟ ص:۶۶)

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ سابق مہتمم دیوبند

(حضرت والد صاحب نے) فرمایا کہ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کو اللہ تعالیٰ نے مثالی ضبط وتحمل عطا فرمایا تھا۔ دار العلوم دیوبند کی زمین سے متصل کسی دیوبند کے رئیس کی زمین تھی۔ اس کا کچھ حصہ دار العلوم کیلئے خرید لیا گیا تھا۔ اس رئیس کے انتقال کے بعد اس کے ایک وارث نے ایک روز دار العلوم کے صحن میں پہنچ کر اس زمین کی حق داری کا دعویٰ کیا اور حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کو خطاب کر کے بآواز بلند بہت برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ اس کا انداز گفتگو اس قدر اشتعال انگیز تھا کہ مولانا کے بعض خدام کو بھی فطری طور پر اشتعال ہوا اور انہوں نے بھی اس کو اسی کی زبان میں جواب دینے کا ارادہ کیا لیکن مولانا نے ان کو روکا اور ان صاحب سے فرمایا کہ شیخ صاحب! آپ فضول ناراض ہو گئے۔ ذرا اندر تشریف لایئے اطمینان سے بات کریں گے۔ مگر وہ صاحب بدستور غیظ وغضب کا اظہار کرتے رہے۔ مولانا نے کچھ دیر کے بعد پھر فرمایا اندر چل کر بیٹھئے تو سہی، وہاں بات کریں گے اور پھر انہیں زبردستی دفتر اہتمام میں لے گئے، ان کی خاطر تواضع کی اور جب وہ ذرا ٹھنڈے ہو گئے تو مولانا اطمینان کے ساتھ اپنی جگہ سے اٹھے، ایک الماری کھولی، اس میں سے کچھ کاغذات

لے کر آئے اور ان صاحب کے سامنے پھیلا دیئے کہ دیکھئے یہ زمین آپ کے مورث نے فلاں تاریخ کو دارالعلوم کے ہاتھ فروخت کر دی تھی اور اس کی رجسٹری بھی ہو چکی ہے۔ ان صاحب نے کاغذات دیکھے تو بے حد شرمندہ ہوئے اور مولانا نے جس صبر وضبط اور تحمل کا مظاہرہ فرمایا اس سے بے حد متاثر ہو کر گئے۔ (ایضاً ص: ۷۰)

حضرت خلیفہ غلام محمد صاحب دین پوریؒ

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ لکھتے ہیں:

میں حضرت دین پوریؒ کا ایک واقعہ عرض کیا کرتا ہوں۔ ان کا ایک ہمسایہ تھا پہلے وہ دادا پیر کا مرید تھا۔ ان کے وصال کے بعد حضرت دین پوری سے متعلق رہا لیکن کسی وجہ سے وہ حضرت سے ناراض ہو گیا اور تقریباً ۳۰، ۳۵ سال حضرت کے خلاف مقدمہ بازی کرتا رہا۔ میں عقیدت کی بنا پر نہیں بلکہ بصیرت سے کہتا ہوں کہ حضرت کا درجہ بڑے بڑے اولیاء کرام سے کسی طرح کم نہیں تھا۔ حضرت کے خدام میں سے کسی کی بندوق سے اس شخص کا کتا مر گیا۔ اس نے حضرت پر دعوی دائر کر دیا کہ آپ نے میرا کتا مار ڈالا ہے۔ پولیس حضرت کو جانتی تھی اس لئے اس شخص کو تنگ کرنے کیلئے اس سے کہتی کہ کتا اٹھا کر لاؤ تا کہ اس کا پوسٹ مارٹم کرایا جائے۔ کئی دن متواتر وہ کتا اٹھا کر لے جاتا رہا اور پولیس اسی طرح سے اس کے گوشت کو چیر دلواتی تھی تا کہ رپورٹ مکمل ہو جائے کہ کہاں کہاں چھرے لگے ہیں؟ ایک مرتبہ اس شخص نے سرکاری زمین سے ایک درخت کاٹ لیا۔ پولیس نے اسے گرفتار کر لیا۔ حضرت کو جب اس کی گرفتاری کا پتہ چلا تو آپ نے سفارش فرمائی کہ اس کو چھوڑ دیا جائے چنانچہ اس کو چھوڑ دیا گیا۔ اس کے بعد حضرت نے فرمایا کہ اس کو ضرورت ہو گی اس لئے درخت بھی دلا دیا۔ حضرت نے کبھی اسے کچھ نہیں کہا۔ ایک مرتبہ حج کیلئے جانے لگے تو خود چل کر اس کے ہاں تشریف لے گئے اور اس سے معافی مانگی۔ جب حج سے واپس آئے تو اس شخص نے

حضرت کی دعوت کی۔ سارے متعلقین کا خیال تھا کہ حضرت کو وہ کھانے میں زہر دے دیگا اس لئے سب نے اس دعوت کو منظور کرنے کی مخالفت کی لیکن حضرت نے منظور فرما لیا۔ (بیس مردان حق ج:۱ ص:۵۰۵ بحوالہ ملفوظات طیبات ص:۲۰۵)

حضرت مولانا ابوالسعد احمد خان نقشبندی مجددیؒ

پہاڑ کا وقار اور اس کی استقامت ضرب المثل ہے لیکن جب وہ انسان کے دست تصرف کے آگے پاش پاش اور ریزہ ریزہ ہو جانے سے بچ نہیں سکتا تو ہمارے حضرت کی خودداری وعالی وقاری کی کیا ریس کر سکتا ہے جو نہ کسی انسان کی نادانی و بے تمیزی سے برہم ہوں اور نہ کسی کا جہل وسوءادب ان کے مزاج کو آشفتہ کر سکے۔

زبردباری ماخوار وزار شد عالم　　　زکوہ طاقت ماسنگسار شد عالم

میں نے بارہا دیکھا کہ جب کسی خادم سے متعلقہ خدمت میں کوئی فروگذاشت یا غفلت ہو جاتی ہے جو اظہارِ ناراضگی کا مقام ہونا چاہئے تو آپ اس کے متعلق تنبیہ بھی ہنس کر کسی لطیفہ کے پیرائے میں فرماتے ہیں کہ خادم کا دل ملول نہ ہو۔ سمجھنے والے سمجھ جاتے ہیں کہ یہ تنبیہ و چشم نمائی ہے مگر ناواقف کی نظر میں وہ ظرافت وخوش طبعی ہوتی ہے۔ کبھی بتقاضائے بشریت ناراض بھی ہو جاتے ہیں تو اس کا احساس آسان نہیں۔ کوئی خاص ماہرِ نفسیات اگر گہری نظر سے کام لے تو وہ اس ناراضگی کی کیفیت یوں محسوس کرے گا کہ کدورت وملال کا ایک ہلکا سا ابر، شگفتگی کے چاند پر ادھر چھایا، ادھر اڑ گیا۔

کسے بملک رضا خشمگیں نمے باشد　　　دریں ریاض گل آتشیں نمے باشد

میں نے اپنے مقصد وقائع نگاری کو ملحوظ رکھ کر کئی دیرینہ خادموں سے الگ الگ پوچھا کہ حضرت نے کبھی کسی پر علانیہ اظہار ناراضگی بھی کیا ہے؟ تو اس کا جواب

مجھے نفی میں ملا۔ صرف آپ کے ایک رشتہ دار کے متعلق سب کا جواب متفق علیہ تھا کہ بس اسی پر ایک مرتبہ ناراض ہوتے دیکھا ہے کیونکہ اس نے ہتک شریعت کی تھی۔

(۱) سید مختار احمد متوطن اترولی ضلع علی گڑھ ایک نیک نہاد نوجوان اور شریف النسب سید علی گڑھ کالج کے طالب علم تھے۔ توفیق الٰہی نے دست گیری کی، جاذبہ غیب نے کالج سے اٹھایا اور یو پی کی پر بہار فضا سے نکال کر اس لق و دق تھل میں لا ڈالا اور وہ حضرت کے خدام میں منسلک ہو گئے۔ ایک مرتبہ سب کی مجلس میں حضرت نے فرمایا کہ مولانا شبلی نے اپنی سیرت نبوی ﷺ میں تمام غزوات و سرایا کو مدافعانہ جنگ ثابت کرنے میں محض تکلف اور سعی فضول کا ارتکاب کیا ہے۔ سید مختار احمد ایک صحیح العقائد اور مجلس کے ادب شناس ذاکر تھے مگر آخر ذہن و ذکا نے ابتدائی نشو و نما اس چمنستان میں پائی تھی جس کی آبیاری سر سید کے ہاتھوں ہوئی اس لئے یہ بات ان کے کانوں کیلئے نامانوس تھی۔ انہوں نے اپنی تشفی چاہی۔ حضرت نے ایک شائستہ تقریر میں مدعا کو واضح کر دیا۔ سائل نے پھر کچھ شبہات پیش کئے، حضرت نے پھر بکمال لطافت ان کے رفع کرنے کی کوشش کی۔ آخر اس بحث کا سلسلہ اس قدر طوالت پکڑ گیا کہ گویا مختار احمد صاحب نے شبلی کی طرف سے وکالت کا ذمہ لے لیا اور یہ ڈھنگ مجلس کے متعارف آداب کے بالکل خلاف تھا جس سے ہم سب لوگ پریشان تھے مگر حضرت کے گفت و کلام کے لہجہ میں نرمی و ملاطفت کی جو شان ابتداء میں تھی اس میں سر مو فرق نہیں آیا۔ آخر کسی خادم کا اشارہ پا کر سید صاحب خاموش ہوئے۔

(بیس مردان حق ج:۱ ص:۵۵۲)

(۲) مولوی نور احمد صاحب کی سادہ مزاجی کا ذکر اوپر گذر چکا ہے وہ اس کے ساتھ ہی نہایت صاف گو اور بحث پسند بھی واقع ہوئے ہیں۔ ایک مرتبہ مجلس شب میں حضرت یہ ذکر فرما رہے تھے کہ ہمارے حضرت مرحوم (مولانا سراج الدین قدس سرہ) نماز میں اس قدر لمبے رکوع سجود کرتے تھے کہ ہم لوگ ان کے پیچھے گیارہ مرتبہ تسبیحات

پڑھ لیتے۔

مولوی نور احمد: مگر حضور تو اس قدر جلدی رکوع وسجود کرتے ہیں کہ ہم بمشکل تین تسبیحیں پڑھ سکتے ہیں۔

حضرت: (مسکرا کر) مقتدیوں کی رعایت بھی تو ہونی چاہئے کہ ان میں ضعیف اور کاروباری سبھی طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔

مولوی صاحب: ذرا اور زیادہ دیر تک رکوع وسجود کرنے میں کس کو تکلیف ہو سکتی ہے؟

حضرت: (بخندہ پیشانی) یہ صرف آپ ہی فرماتے ہیں یا دوسرے لوگ بھی اس خیال میں آپ کے مؤید ہیں؟

مولوی صاحب: دوسرے لوگ بزدل ہیں، سچی بات عرض کرنے کی جرأت نہیں رکھتے، چنانچہ ابھی مغرب کی نماز کا واقعہ ہے کہ حضور نے پہلی رکعت میں سورہ قریش اور دوسری میں سورہ کوثر پڑھی۔ اس پر تو کسی کو یہ عرض کرنے کی جرأت نہ ہوئی کہ ان کے درمیان سورہ ماعون کا چھوڑ دینا مکروہ ہے حالانکہ مقتدیوں میں کئی علماء تھے۔

اس پر حضرت نے ہنس کر نرمی سے اور مخاطب کے سنجیدہ سوالات کی تلخی و ترشی کو اپنی خوشنودی وخندہ پیشانی کی حلاوت میں چھپا چھپا کر بار بار سمجھایا کہ کسی سورۃ کا درمیان میں چھوڑ دینا اس صورت میں مکروہ ہے کہ وہ سورۃ اس قدر چھوٹی ہو کہ دو رکعتوں میں اس کا پڑھنا کافی نہ ہو سکے جیسے سورہ کوثر اور سورہ اخلاص ہیں لیکن سورہ ماعون بڑی سورۃ ہے۔ اس کی سات آیات ہیں جو دو رکعتوں کیلئے کافی ہیں اس لئے ایسی سورت کے آگے پیچھے سے سورتیں پڑھ لینا اور اس کو چھوڑ جانا مکروہ نہیں۔ اس کے بعد آپ نے میری طرف دیکھ کر فرمایا کہ میری معذوری کو بھی سب لوگ جانتے ہیں لکنت کے سبب میں بعض اوقات ایک خاص سورۃ کو شروع کرتا کرتا رک جاتا ہوں تو جو سورۃ سامنے آتی ہے

اسی کو پڑھنا پڑتا ہے۔

مولوی نوراحمد صاحب نے یہ صحیح جواب بھی سنا، اس کی مستند دلیل بھی سنی، حضرت کی سچی معذوری بھی سمجھی، قرآن مجید منگوا کر سورہ ماعون کی آیات بھی گن لیں۔ ایک، دو، تین، چار، پانچ، چھ، سات مگر پھر بھی تسلی نہ ہوئی۔ برابر مرغی کی ایک ٹانگ ہی رٹتے چلے گئے اور آج مشہور مقولہ "ملا آنست کہ چپ نہ شود" کی صحت بھی پایہ ثبوت کو پہنچادی۔

قیل وقال کا سلسلہ برابر کھنچتا چلا گیا اور ہم سب کو اندیشہ ہوا کہ حضرت کی طبیعت ملول نہ ہو جائے مگر آپ ہیں کہ اسی طرح بشاشت سے، ملاطفت سے، تحمل سے اور نرمی سے اس گفتگو میں حصہ لیتے رہے جس طرح ایک شفیق باپ اپنے شوخ بچے کی بے باکیوں کو بانداز اغماض ٹالتا جاتا ہے۔

عشاء کے بعد حضرت نے فرمایا شامی مقبول فتاوی ہے اس کو دیکھو۔ شامی آئی تو اس میں یہ عبارت نکلی:

> وَيُكْرَهُ الْفَصْلُ بِسُوْرَةٍ قَصِيْرَةٍ. اَمَّا بِسُوْرَةٍ طَوِيْلَةٍ بِحَيْثُ يَلْزَمُ مِنْهُ اِطَالَةُ الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ اِطَالَةً كَثِيْرَةً فَلَا يُكْرَهُ كَمَا اِذَا كَانَتْ سُوْرَتَانِ قَصِيْرَتَانِ.... الخ
>
> کسی چھوٹی سورۃ کو درمیان میں چھوڑ جانا مکروہ ہے لیکن بڑی سورۃ جس سے دوسری رکعت زیادہ لمبی ہو جاتی ہو تو اس کو چھوڑ جانا مکروہ نہیں جیسے کہ ایسی صورت میں مکروہ نہیں جب کہ دو چھوٹی سورتیں ہوں۔

اب مسئلہ صاف تھا۔ مولوی صاحب کو فتاوی کے اس واضح ولائح فیصلے کے آگے ہتھیار ڈالنے پڑے اور اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔ کسی کے فعل پر معترض ہونا اگرچہ

وہ امر بالمعروف کے درجے ہی میں ہو ایک ہم رتبہ آدمی کے صبر و تحمل کیلئے بھی چیلنج ہے
چہ جائیکہ ایک مرید کی زبان سے پیر کے حق میں یہ سلوک ہو جس کی ہستی مرید کیلئے انبیاء
علیہم السلام و صحابہؓ کے بعد سب سے افضل ہے مگر حضرت نے اس سلوک کو نہایت خوش
اخلاقی سے گوارا کیا دلیرانہ صاف گوئی کے مقابلے میں بردبارانہ حق نیوشی کی اس سے
بہتر مثال کوئی دکھا سکتا ہے؟ اب آگے چلو جب معترض کی غلطی واشگاف ہو جائے اور
اس کو صحیح جواب مل جائے اور پھر بھی وہ چپ نہ ہو تو دوست آشنا بھی اس قسم کی ہٹ
دھرمی پر چیں بجبیں ہو جاتے ہیں چہ جائیکہ ایک شیخ اجل اور مقتدائے زمانہ کو ایسی فضول
مکالمت کی آماجگاہ میں رکھا جائے مگر آپ نے اس کو بھی برداشت فرمایا اور آخر تک ہنس
ہنس کر ٹالتے رہے۔ کیا وسعت ظرف اور علو نفس کا اس سے اعلیٰ نمونہ کسی نے دیکھا
ہے؟ اور آگے بڑھو۔ اب فتویٰ بھی حضرت کی تائید میں موجود ہو گیا اور حریف بحث نے
اپنی ہار بھی مان لی تو ایسی صورت میں فاتح خواہ کم رتبہ ہو یا ہم رتبہ یا عالی رتبہ بہر
صورت اس کے چہرے پر بشاشت اور آواز میں حوصلہ مندی کا لہجہ پایا جائے گا مگر
ہمارے حضرت نے اس کے بعد جو کلمات طیبات فرمائے ان سے صرف حق الامر کا
اظہار باندازِ اعتذار پایا گیا۔ کیا تواضع وانکساری کی اس سے بہتر نظیر پیش کی جا سکتی
ہے؟ اور کیا ہوائے کبر و آتش کو مسخر کرنے کی یہ کرامت ہوا پر اڑنے اور آگ کو
روندنے کے خوارق سے کچھ کم ہے؟ آخر میں حضرت نے فرمایا اب سے بیس سال قبل
میں ان تمام جزئیات مسائل کا پوری تدقیق سے مطالعہ کر چکا ہوں جو عموماً عبادات
و معمولات میں پیش آتی ہیں اور کافی تجسس اور کافی تحقیق سے اپنا اطمینان کر کے ان پر
عمل کی بنیاد رکھی ہے۔ عرصہ ہو گیا اب ان تحقیقات کا سلسلہ تو ہر جگہ یاد نہیں آتا اتنا
اطمینان ہوتا ہے کہ میرا عمل ہر مسئلہ میں کسی نہ کسی صحیح تحقیق پر مبنی ہے۔

(ایضاً ص: ۵۵۳ تا ۵۵۵)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

(۱) ایک بے ہودہ خط کا عجیب جواب

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے مواعظ سے امت کو جو بے مثال نفع پہنچا وہ محتاج بیان نہیں۔ حضرت کے مواعظ کا فیض آج تک جاری ہے اور جن حضرات نے ان کا مطالعہ کیا ہو وہ جانتے ہیں کہ یہ مواعظ دین کی بیشتر ضروریات پر حاوی ہیں اور اصلاح و تربیت کیلئے بے نظیر تاثیر رکھتے ہیں۔ ایک مرتبہ جون پور میں آپ کا ایک وعظ ہونا تھا وہاں بریلوی حضرات کا خاصا مجمع تھا۔ آپ کے پاس ایک بے ہودہ خط پہنچا جس میں چار باتیں کہی گئی تھیں:

ایک یہ کہ تم جولاہے ہو۔ دوسرے یہ کہ جاہل ہو۔ تیسرے یہ کہ کافر ہو اور چوتھے یہ کہ سنبھل کر بیان کرنا۔ حضرت تھانویؒ نے وعظ شروع کرنے سے پہلے مجمع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اس قسم کا ایک خط میرے پاس آیا ہے۔ پھر وہ خط سب کے سامنے پڑھ کر سنایا اور فرمایا کہ یہ جو لکھا ہے کہ تم جولاہے ہو تو اگر میں جولاہا ہوں بھی تو اس میں حرج ہی کیا ہے۔ میں یہاں کوئی رشتے ناطے تو کرنے نہیں آیا، احکام الٰہی سنانے کیلئے حاضر ہوا ہوں سو اس کو قومیت سے کیا علاقہ؟ دوسرے یہ چیز اختیاری بھی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس کو جس قوم میں چاہا پیدا فرما دیا۔ سب قومیں اللہ ہی کی بنائی ہوئی ہیں اور سب اچھی ہیں اگر اعمال و اخلاق اچھے ہوں۔ یہ تو مسئلہ کی تحقیق تھی۔ رہی واقعہ کی تحقیق سو مسئلہ کی تحقیق کے بعد واقعہ کی تحقیق کی ضرورت ہی باقی نہیں رہی لیکن پھر بھی اگر کسی کو تحقیق واقعہ کا شوق ہی ہو تو میں آپ کو اپنے وطن کے عمائد کے نام اور پتے لکھوائے دیتا ہوں ان سے تحقیق کر لیجئے، معلوم ہو جائے گا میں جولاہا ہوں یا کس قوم کا؟ اور اگر مجھ پر اطمینان ہو تو میں مطلع کرتا ہوں کہ میں جولاہا نہیں ہوں۔ رہا جاہل ہونا اس کا البتہ میں اقرار کرتا ہوں کہ میں جاہل بلکہ اجہل ہوں لیکن جو کچھ اپنے بزرگوں

سے سنا ہے اور کتابوں میں دیکھا ہے اس کو نقل کرتا ہوں۔ اگر کسی کو کسی بات کے غلط ہونے کا شبہ ہو اس پر عمل نہ کرے اور کافر ہونے کو جو لکھا تو اس میں زیادہ قیل وقال کی حاجت نہیں میں آپ صاحبوں کے سامنے پڑھتا ہوں ''اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمداً رسول اللہ'' اگر میں نعوذ باللہ کافر تھا تو لیجئے اب نہیں رہا۔ آخر میں سنبھل کر بیان کرنے کی دھمکی دی گئی ہے اس کے متعلق یہ عرض کرنا ہے کہ وعظ کرنا کوئی میرا پیشہ نہیں ہے جب کوئی بہت اصرار کرتا ہے تو جیسا کچھ مجھے بیان کرنا آتا ہے بیان کر دیتا ہوں۔ اگر آپ صاحبان نہ چاہیں تو میں ہرگز بیان نہ کروں گا۔ رہا سنبھل کر بیان کرنا تو اس کے متعلق صاف صاف عرض کئے دیتا ہوں کہ میری عادت خود ہی چھیڑ چھاڑ کی نہیں ہے قصداً کبھی کوئی ایسی بات نہیں کرتا جس میں کسی گروہ کی دل آزاری ہو یا فساد پیدا ہو لیکن اگر اصول شرعیہ کی تحقیق کے ضمن میں کسی ایسے مسئلہ کی ضرورت ہی پیش آجاتی ہے جس کا رسوم بدعیہ سے تعلق ہے تو پھر میں رکتا بھی نہیں۔ اس لئے کہ یہ صریح دین میں خیانت ہے۔ سب باتیں سننے کے بعد اب بیان کے متعلق جو آپ صاحبوں کی رائے ہو اس سے مطلع کر دیجئے۔ اگر اس وقت کوئی بات کسی کے خلاف طبع بیان کرنے لگوں تو فوراً مجھ کو روک دیا جائے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر کوئی ادنی شخص بھی مجھے روکے گا تو میں اپنے بیان کو فوراً منقطع کر دوں گا اور بیٹھ جاؤں گا۔ بہتر تو یہ ہے کہ وہی صاحب روک دیں جنہوں نے یہ خط بھیجا ہے یا اگر خود کہتے ہوئے انہیں شرم آئے یا ہمت نہ ہو تو چپکے سے کسی اور ہی کو سکھلا پڑھا دیں ان کی طرف سے وہ مجھے روک دیں۔ یہ سن کر ایک معقولی مولوی صاحب جو بدعتی خیال کے تھے اور جن کا وہاں بہت اثر تھا کڑک کر بولے یہ خط لکھنے والا کوئی حرام زادہ ہے، آپ وعظ کہئے آپ کیسے فاروقی ہیں؟ حضرت نے فرمایا میں ایسی جگہ کا فاروقی ہوں جہاں کے فاروقیوں کو یہاں کے لوگ جولا ہے سمجھتے ہیں۔ جب سارا مجمع خط لکھنے والے کو برا بھلا کہنے لگا خاص طور سے وہ مولوی صاحب فحش گالیاں دینے لگے تو حضرت والا نے روکا کہ گالیاں نہ دیجئے،

مسجد کا تو احترام کیجئے۔ پھر حضرت والا کا وعظ ہوا اور بڑے زور شور کا وعظ ہوا۔

اتفاق سے دوران وعظ میں بلا قصد کسی علمی تحقیق کے ضمن میں کچھ رسوم وبدعات کا بھی ذکر چھڑ گیا۔ پھر حضرت والا نے کسی ملامت کی پرواہ کئے بغیر خوب ہی تردید کی۔ لوگوں کو یہ اختیار دے چکے تھے کہ وہ جب چاہیں تو وعظ روک دیں لیکن کسی کو ہمت نہ ہوئی۔ وہ معقولی مولوی صاحب شروع شروع میں تو بہت تحسین کرتے رہے اور بار بار سبحان اللہ، سبحان اللہ کے نعرے بلند کرتے رہے کیونکہ اس وقت تصوف کے رنگ پر بیان ہو رہا تھا لیکن جب رد بدعات پر ہونے لگا تو پھر چپ ہو گئے مگر بیٹھے سنتے رہے۔ یہ بھی خدا کا بڑا افضل تھا کیونکہ بعد کو معلوم ہوا کہ وہ ایسے کٹر اور سخت ہیں کہ جہاں کسی واعظ نے کوئی بات خلاف طبع کہی انہوں نے وہیں ہاتھ پکڑ کر منبر سے نیچے اتار دیا لیکن اس وقت انہوں نے دم نہیں مارا چپکے سنتے رہے لیکن جب وعظ ختم ہوا اور مجمع رخصت ہونے کیلئے کھڑا ہو گیا تو اس وقت ان مولوی صاحب نے حضرت والا سے کہا کہ ان مسائل کے بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اس پر ایک دوسرے ذی اثر مولوی صاحب (جو خود بدعتی خیال کے تھے) بڑھے اور جواب دینا چاہا لیکن حضرت والا نے انہیں روک دیا کہ خطاب مجھ سے ہے آپ جواب نہ دیں مجھے عرض کرنے دیں۔ پھر حضرت والا نے ان معقولی مولوی صاحب سے فرمایا کہ آپ نے یہ بات پہلے مجھ سے نہ فرمائی ورنہ میں احتیاط کرتا۔ میں نے تو جو بیان کیا ضروری ہی سمجھ کر کیا مگر اب کیا ہو سکتا ہے اب تو بیان ہو چکا ہے۔ ہاں ایک صورت اب بھی ہو سکتی ہے وہ یہ کہ ابھی تو مجمع موجود ہے آپ پکار کر کہہ دیجئے کہ صاحبو! اس بیان کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ پھر میں آپ کی تکذیب نہ کروں گا اور آپ ہی کی بات اخیر رہے گی۔ اس پر سب لوگ ہنس پڑے اور مولوی صاحب وہاں سے رخصت ہو گئے۔

ان کے چلے جانے کے بعد سب لوگ ان کو برا بھلا کہنے لگے۔ جب شور وغل ہوا تو حضرت والا نے کھڑے ہو کر فرمایا کہ صاحبو! ایک پردیسی کی وجہ سے آپ مقامی

علماء کو ہرگز نہ چھوڑیں، میں آج مچھلی شہر جا رہا ہوں اب آپ صاحبان یہ کریں اور میں ان صاحب کو بالخصوص خطاب کرتا ہوں کہ جنہوں نے خط بھیجا ہے کہ وہ میرے بیان کا رد کرا دیں۔ پھر دونوں راہیں سب کے سامنے ہوں گی جو جس کو چاہے اختیار کرے فساد کی ہرگز ضرورت نہیں۔

پھر ان دوسرے مولوی صاحب کو جو بدعتی خیال ہونے کے باوجود حمایت کیلئے آگے بڑھے تھے کھڑے ہو کر فرمایا کہ صاحبو! آپ جانتے ہیں کہ میں مولودیہ بھی ہوں، قیامیہ بھی ہوں مگر انصاف اور حق یہ ہے کہ جو تحقیق آج مولوی صاحب نے بیان فرمائی صحیح وہی ہے۔ (اکابر دیو بند کیا تھے؟ ص:۱۱۵ تا ۱۱۸ بحوالہ اشرف السوانح ج:۱ ص:۶۸، ۷۲)

(۲) حضرت جی! جھوٹ مت بولو، اللہ سے ڈرو!

حضرت تھانویؒ کے ایک پرانے خادم بھائی نیاز صاحب مرحوم بھی تھے۔ خانقاہ تھانہ بھون میں حضرت کے پاس رہا کرتے تھے۔ چونکہ بہت عرصے سے حضرت والا کی خدمت کر رہے تھے اس لئے طبیعت میں تھوڑا سا ناز بھی پیدا ہو گیا تھا۔ ایک مرتبہ کسی نے حضرت کے پاس آ کر ان کی شکایت کی کہ یہ بھائی نیاز صاحب بڑے سر چڑھ گئے ہیں اور بعض اوقات ڈانٹ دیتے ہیں۔ حضرت والا کو تشویش ہوئی کہ خانقاہ میں آنے والے لوگوں کو اس طرح ڈانٹنا تو بری بات ہے چنانچہ آپ نے ان کو بلا کر ان سے کہا میاں نیاز! یہ کیا حرکت ہے کہ تم ہر ایک کو ڈانٹتے پھرتے ہو۔ بھائی نیاز صاحب کے منہ سے یہ جملہ نکلا کہ حضرت جی! جھوٹ مت بولو، اللہ سے ڈرو۔ بظاہر بھائی نیاز صاحب یہ کہنا چاہ رہے تھے کہ جن لوگوں نے آپ سے میری شکایت کی ہے کہ میں لوگوں کو ڈانٹتا پھرتا ہوں، وہ لوگ جھوٹ نہ بولیں، اللہ سے ڈریں لیکن اس کے منہ سے نکل گیا کہ جھوٹ مت بولو، اللہ سے ڈرو۔ ایسے موقع پر وہ نوکر اور زیادہ سزا اور ڈانٹ کا مستحق ہونا چاہئے لیکن حضرت تھانویؒ نے جیسے ہی یہ الفاظ سنے فوراً نظر نیچے کی اور

"استغفر اللہ، استغفر اللہ" کہتے ہوئے وہاں سے چلے گئے۔ بات دراصل یہ ہوئی کہ ان کے اس کہنے سے حضرت والا کو یہ تنبیہ ہوئی کہ میں نے یک طرفہ بات سن کر ان کو ڈانٹنا شروع کر دیا۔ ایک آدمی نے ان کے بارے میں اطلاع دی تھی کہ یہ ایسا کرتے ہیں اور خود ان سے نہیں پوچھا کہ دراصل واقعہ کیا تھا اور صرف اس اطلاع پر میں نے ان کو ڈانٹنا شروع کر دیا، یہ بات میں نے ٹھیک نہیں کی۔ اس لئے فوراً استغفر اللہ کہہ کر وہاں سے چلے گئے۔ ایسے شخص کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ جلالی بزرگ تھے اور لوگوں کو بڑی ڈانٹ ڈپٹ کیا کرتے تھے۔ (اصلاحی خطبات ج:۸ ص:۲۸۱)

(۳) حضرت والا کا سنایا ہوا ایک واقعہ

حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے ایک وعظ میں فرمایا کہ ایک شخص تھا، اس کی بیوی نے اس کے کھانے میں نمک بہت تیز کر دیا۔ اس کو غصہ آیا لیکن سوچا کہ اگر ہماری لڑکی سے ایسی خطا ہو جاتی تو ہم اپنے داماد سے کیا معاملہ پسند کرتے؟ یہی کہ وہ معاف کر دے اور اگر جوتا بازی کرتا تو ہم کو رنج ہوتا۔ پس یہ بھی کسی کی بیٹی ہے اور میں بھی کسی کا داماد ہوں اور حق تعالیٰ کی بندی ہے بس معاف کر دیا۔ جب انتقال ہو گیا تو ایک بزرگ نے اس کو خواب میں دیکھا اور دریافت کیا کہ کیا معاملہ تیرے ساتھ ہوا؟ کہا حق تعالیٰ نے باوجود ہماری نالائقیوں کے فرمایا کہ تو نے ہماری فلاں بندی پر غصہ ضبط کر کے اس کو سزا نہ دی اور معاف کر دیا، اس کے بدلے میں ہم تجھے سزا دیئے بغیر معاف کرتے ہیں۔ (روح کی بیماریاں اور اس کا علاج ص:۱۰۹، ۱۱۰)

بانی تبلیغی جماعت حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ

مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

حد درجہ کی ذکاوت حس و لطافت کے باوجود بڑے ضابط و حلیم تھے۔ اپنے مذاق و مقصد کے خلاف سننا اور دیکھنا ان کیلئے بڑا مجاہدہ تھا مگر کام کی مخصوص ساخت اور

اس وجہ سے کہ اس کا تعلق دعوت اور اختلاط سے ہے۔ یہ مجاہدہ ان کو رات دن کرنا پڑتا تھا۔ آخر زمانہ میں اپنے مقصد کے خلاف بات سننا طبیعت کی نزاکت اور مقصد کے غلبہ کی وجہ سے برداشت سے باہر ہو گیا لیکن ساری عمر یہ مجاہدہ کرتے ہی گذری۔

(۱) ایک سفر میں ایک صاحب جو ذی علم بھی تھے راستہ بھر بے عنوانیاں کرتے رہے اور مولانا بڑے ضبط وتحمل سے دیکھتے اور سنتے رہے۔ آخر میں فرمایا کہ تم سمجھتے ہو کہ میرا غصہ اتنا بے قیمت ہے کہ تم پر غصہ کرلوں گا۔ میں ہرگز تم پر غصہ نہیں کروں گا۔

(مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت ص:۲۰۷ روایت حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحبؒ)

(۲) ''گلاؤٹھی'' تبلیغی جماعت گئی ہوئی تھی، مولانا مسجد میں تھے۔ جماعت گشت کر کے واپس ہوئی تو اپنے ساتھ ایک نوجوان کو لائی۔ مولانا مسجد سے نکل رہے تھے۔ جماعت کے لوگوں نے کہا کہ حضرت! یہ شخص ایک وقت بھی نماز نہیں پڑھتا اور اس کے تمسخر واستہزاء کی شکایت کی۔ وہ مولانا کو دیکھ کر بجائے احترام کے زور سے ہنسا۔ مولانا نے اس کی ٹھوڑی پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: اللہ تجھے ہنساتا رہے۔ اور بڑی سادگی سے نماز کی نصیحت کی۔ اس نے فوراً اقرار کرلیا اور لوگ اسے مسجد میں لے گئے۔

(ایضاً روایت منشی محمد احمد صاحب خوشنویس دہلوی)

(۳) ایک مرتبہ دوران تبلیغ آپ نے ایک شخص پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ آگ بگولہ ہو گیا اور کہنے لگا کہ اگر اب کے تم نے ہاتھ لگایا تو میں لٹھ ماروں گا۔ آپ نے فوراً اس کے پاؤں پکڑ لئے اور فرمایا کہ پاؤں کو تو نہیں کہا تھا۔ اس کا غصہ کافور ہو گیا اور فوراً نرم پڑ گیا۔ (ایضاً ص:۱۰۸ روایت مولانا احتشام الحسن صاحب کاندھلوی)

(۴) ایک سفر میں بیل گاڑی کی سواری تھی۔ لاری اڈہ پر پہنچنا تھا۔ لاری کے چھوٹنے کا وقت قریب تھا اور لوگ روکنے کیلئے گئے ہوئے تھے۔ گاڑی بان سے ہر چند کہا گیا کہ تیز چلا، موٹر چھوٹ جائے گی مگر بار بار کے تقاضوں اور منت پر بھی اس نے

بیل نہیں ہانکے اور بڑی مستقل مزاجی کے ساتھ آہستہ رفتار سے چلاتا رہا یہاں تک کہ لاری چھوٹ گئی۔ بعض رفقاء سفر نے گاڑی بان کو سخت زجر وتوبیخ کی اور بعض نے فرط غضب میں خلاف عادت سخت سست کہا۔ مولانا نے صرف اتنا فرمایا کہ بھائی اگر تو ان صاحبوں کی بات مان لیتا تو تیرا کیا نقصان تھا؟

(ایضاً، روایت مولانا انعام الحسن صاحب کاندھلوی)

(۵) ایک مرتبہ ایک صاحب جو کسی ملازمت کے سلسلہ میں کسی مسلمان افسر بالا کے زخم خوردہ اور بے روزگاری سے اتنے دل شکستہ تھے کہ توازن دماغی کھو چکے تھے، مولانا کی خدمت میں آئے اور اس آشفتہ خاطری میں ایسی ناہمواری اور گستاخانہ باتیں کرتے رہے جن کو کوئی مسلمان برداشت نہیں کرسکتا۔ مولانا نے فرمایا کہ یہ اس وقت معذور ہے ایسے وقت دعا وظیفہ بتلانا بھی مفید نہیں۔ آپ نے ان سے کہا کہ چند دن قیام کیجئے اور مطمئن ہوکر رہئے چنانچہ وہ رہے۔ مولانا نے بڑی خاطر اور دل جوئی کی اور ایک ہی دودن میں ان کی یہ کیفیت جاتی رہی۔ مولانا کبھی کبھی اپنے کام کے سلسلہ میں ان لوگوں پر جن کے خلوص وتعلق پر اعتماد ہوتا تھا سخت غصے ہوتے تھے۔ ان لوگوں کو زار وقطار روتے ہوئے دیکھا گیا ہے مگر ان کے تعلق میں اور اضافہ ہوگیا۔ مولانا فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے اللہ سے دعا کی ہے کہ میں جس پر غصہ کروں اس کے حق میں میرا غصہ باعث رحمت ہو۔ (ایضاً)

حضرت مولانا میاں سید اصغر حسین صاحبؒ سابق استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند

ایک مشہور عالم دین بزرگ سے بعض سیاسی مسائل میں حضرت میاں صاحب کو شدید اختلاف تھا جس کا اظہار ہمیشہ برملا فرماتے رہے لیکن اس کے باوجود ان کی شان میں اگر کسی سے کبھی کوئی نامناسب کلمہ نکل بھی جاتا تو بڑی سختی سے تنبیہ

فرماتے۔اختلاف بھی ''إِخْتِلَافُ أُمَّتِي رَحْمَةٌ'' (۱) کی تشریح پر تھا۔اختلاف کی حدود سے سرِ مو تجاوز ان کی فطرت ہی نہ تھی۔انہی مختلف الخیال بزرگ نے ایک دفعہ امساک باران کی شدت دیکھ کر نماز استسقاء پڑھنے کا اعلان کیا۔میاں صاحب کو غالباً کشف کے ذریعہ معلوم ہو چکا تھا کہ ان ایام میں بارش نہیں ہوگی لیکن اس کے باوجود والد صاحب سے فرمایا کہ میاں بارش تو ہوتی نہیں البتہ نماز کا ثواب حاصل کرنے کیلئے چلنا ضرور ہے چنانچہ والد صاحب نے ان کی معیت میں نماز استسقاء ادا کی۔بارش کو نہ ہونا تھا نہ ہوئی۔ان بزرگ نے دوسرے روز کیلئے نماز کا اعلان فرمایا تو اس دن بھی وہی پہلے دن والی بات فرما کر نماز ادا کرنے پہنچ گئے اور بغیر بارش ہوئے واپس آ گئے۔ تیسرے روز کیلئے پھر نماز کا اعلان ہوا تو تیسرے دن بھی میاں صاحب نماز کیلئے میدان میں پہنچ گئے اور خود ان بزرگ سے کہا کہ اگر آپ اجازت دیں تو آج نماز میں پڑھا دوں۔ ہر شخص حیرت سے دیکھ رہا تھا کہ میاں صاحب تو کبھی پنج وقتہ نماز لوگوں کے اصرار پر بھی نہیں پڑھاتے آج انہوں نے خود نماز پڑھانے کی پیش کش کیسے کی۔ بہر کیف نماز استسقاء میاں صاحب کی امامت میں شروع ہوئی۔میاں صاحب کے عقیدت مندوں کے دل میں بار بار یہ خیال پیدا ہو رہا تھا کہ آج بارش ضرور ہو جائے گی۔شاید میاں صاحب نے کشف کے ذریعہ معلوم کر کے یہ تبدیلی کی ہوگی لیکن آج بھی دھوپ اسی شدت کے ساتھ چمکتی رہی اور بادل کا دور دور بھی نام ونشان نہ تھا۔ مجبوراً پورا مجمع شکستہ دل اور مغموم واپس ہوا۔والد صاحب نے اس خلاف عادت عمل پر استفسار کیا کہ آپ تو کبھی نماز پنجگانہ میں بھی امامت نہیں فرماتے، آج یہ کیا ماجرا تھا؟ تو فرمایا میرا مقصد اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ جو عالم دین دو روز سے نماز پڑھا رہے ہیں لوگوں کو ان پر ہی بدگمانی نہ ہو میں بھی اس میں شریک ہو جاؤں کیونکہ مجھے اندازہ تھا کہ

---

(۱) میری امت کا اختلاف رحمت ہے۔

بارش اس وقت ہونا مقدر نہیں، کسی عالم یا مقدس ہستی کا اس میں کیا قصور ہے۔ اب اگر بدنامی ہوتی ہے تو تنہا ایک عالم کی نہ ہو۔ سوچئے! ان اہل اللہ اور ہم دنیا داروں میں کس قدر بُعد المشرقین ہے؟ ہماری تمام کوشش اور سعی کا محور صرف یہ ہوتا ہے کہ اپنے مخالف کا کوئی کمزور پہلو تلاش کر کے اس کو مجروح کرنے کی کوشش کی جائے اور اس کیلئے ہر جائز و ناجائز حربہ آزمایا جائے اور اگر قابو چل جائے تو اس کو پوری طرح ذلیل و رسوا کیا جائے لیکن یہی اختلاف جب اسلامی سانچہ میں ڈھلتا ہے تو کس درجہ حسین اور دل فریب ہو جاتا ہے کہ جس پر سینکڑوں اتحاد قربان ہو سکتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ان بزرگوں کو دیکھ کر اندازہ ہوا کہ دنیا میں رہنے اور دنیا کو برتنے کا لطف و سلیقہ بھی ان اہل اللہ ہی کو آتا ہے اور جو خود کو دنیا دار کہتے ہیں ان کو اس کے لطف کی ہوا بھی نہیں لگتی۔ (ارواح ثلاثہ ص: ۴۰۸، ۴۱۰)

علامہ سید سلیمان ندوی صاحبؒ

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

آخری چیز جو ان کی پوری زندگی میں نمایاں رہی وہ ان کی طبیعت کی شرافت و مروت تھی۔ وہ بالکل بے آزار اور غیر منتقمانہ طبیعت کے آدمی تھے۔ ان کیلئے ظالم کے بجائے مظلوم بننا بہت آسان تھا۔ ان کی یہ صفت اس درجہ تک پہنچی ہوئی تھی جو کمزوری سے تعبیر کی جاتی تھی۔ ایک ایسی سوسائٹی میں جو اس طرح کی صفات کی قدر کرنے کے عادی نہیں ان کو اپنی اس افتاد طبع کی بڑی قیمت ادا کرنی پڑی اور اپنی رضامندی کے خلاف بہت سے فیصلے کرنے پڑے۔ اس طویل زندگی اور وسیع تعلقات میں شاید کوئی ایسا شخص مل سکے جو بیان کرے کہ سید صاحب نے اس کو کبھی نقصان پہنچایا یا اپنی ذات کا انتقام لیا۔ میرے سامنے ایک مرتبہ امین آباد میں ایک نوجوان نے سید صاحب سے بطور یادگار ایک منتخب شعر لکھنے کی فرمائش کی۔ سید صاحب نے خواجہ حافظ کا مشہور شعر لکھا۔

آسائش دو گیتی تفسیر ایں دو حرف است — بادوستاں تلطف بادشمناں مدارا

میرے خیال میں ان کا یہ انتخاب محض اتفاقی اور سرسری نہ تھا۔ یہ ان کا اصول زندگی تھا جس پر وہ ہمیشہ کاربند رہے۔ (پرانے چراغ ص:۶۱،۶۲ ج:۱)

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی صاحبؒ

مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی حضرت کے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں:

انسانی بلندی کے ایک دوسرے معیار یعنی ''خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ'' اور ''اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ'' پر عمل کرنے اور دشمنوں سے نہ صرف درگذر کرنے بلکہ ان کو نفع پہنچانے اور ان کے حق میں دعائے خیر کو وظیفہ بنانے میں مولانا فردِ فرید تھے۔ سید پور، بریلی، جالندھر اسٹیشن کے ان واقعات کے بعد جو انسانیت وشرافت کے ابتدائی حدود سے متجاوز اور وحشت ورذالت کا نمونہ تھے، مولانا کی زبان پر کبھی بھول کر بھی کلمہ شکایت یا اظہار حال نہیں آیا بلکہ جہاں تک مجھے معلوم ہے تہجد وسحور کے وقت مولانا کو ان ناشناسوں کے حق میں گریہ وزاری کے ساتھ دعا کرتے سنا گیا ہے۔ ان دشنام طرازوں، بدنام کرنے والوں اور خاک اڑانے والوں کو جب ضرورت پیش آئی ہے اور انہوں نے یا ان کے عزیزوں نے مولانا سے کسی سفارشی خط کی فرمائش کی ہے مولانا نے بڑی بشاشت اور انشراح خاطر کے ساتھ پرزور الفاظ میں ان کی فرمائش پوری کی ہے۔ اس موقع پر اگر کسی خادم یا رفیق نے ان کا تعارف کرانے اور ان کے پچھلے کارناموں کو یاد دلانے کی کوشش کی ہے تو اس کو سختی کے ساتھ جھڑک دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کا عمل اس اسوہ نبوی پر تھا:

''وَأَنْ أَعْفُوَ عَمَّنْ ظَلَمَنِيْ وَأَصِلَ مَنْ قَطَعَنِيْ وَأُعْطِيَ مَنْ حَرَمَنِيْ'' (حدیث نبوی)

(مجھے میرے رب نے وصیت کی ہے کہ) جو مجھ پر ظلم کرے اس کو میں معاف کردوں، جو میرا مقاطعہ کرے میں اس کے ساتھ سلوک اور صلہ رحمی کروں جو مجھے محروم رکھے میں اس کو عطا کروں۔ (پرانے چراغ ص:۱۱۲ ج:۱)

(۱) میرے والدین کے نکاح کے گواہ زندہ ہیں

مولانا احمد علی لاہوریؒ کے صاحب زادے مولانا حبیب اللہ صاحب (جو برسوں سے مسجد نبوی میں درس حدیث دیتے ہیں) دورہ حدیث میں شریک تھے، کسی گستاخ نے ایک رقعہ بھیجا جس کا جواب حضرت نے دوسری نشست میں نہایت نرمی و شائستگی سے دیا اور فرمایا کہ کسی دوست نے مجھ کو یہ رقعہ لکھا ہے کہ تو اپنے باپ سے نہیں ہے۔ تمام مجلس میں ہیجان برپا ہوگیا اور ہر طالب علم غیض غضب میں بھر گیا۔ آپ نے فرمایا خبردار کسی کو غصہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میرا حق ہے کہ میں اس کی تسلی کردوں۔ فرمایا میں ضلع فیض آباد، قصبہ ٹانڈہ، محلہ الہ داد پور کا رہنے والا ہوں۔ اس وقت بھی میرے والدین کے نکاح کے گواہ زندہ ہیں خط بھیج کر یا جا کر سمجھ لیا جائے۔ العظمۃ للہ! بردباری کی انتہاء ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے ''پہلوان وہ نہیں ہے جو کسی کو پچھاڑ دے بلکہ بہادر وہ ہے کہ غصہ کے وقت اپنے اوپر قابو رکھے اور اپنے نفس کو مغلوب کردے۔ (او کما قال ﷺ) (بیس بڑے مسلمان ص:۵۱۵)

(۲) ہر قسم کی سازش کرنے والے مخالف کے ساتھ

حضرت مدنیؒ کے تلمیذ خاص حضرت علامہ قاضی محمد زاہد الحسینی مدظلہ لکھتے ہیں:

قرآن عزیز نے محسنین کی ایک علامت یہ بھی بتلائی ہے کہ ''وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ''یعنی وہ لوگوں کو معاف کرنے والے ہیں۔ جن لوگوں کا کچھ تعلق بھی تاریخ

تحریک آزادی وطن کے ساتھ ہے وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ سب سے زیادہ جس محسن امت کو ستایا گیا وہ حضرت مدنی قدس سرہ ہیں۔ الزامات اور بہتان سے لے کر آپ پر قاتلانہ حملے کئی مرتبہ کئے گئے مگر آپ نے اف تک نہ کی، نہ کسی کیلئے بددعا فرمائی بلکہ جب کبھی ایسا موقع آیا تو فوراً درگذر سے کام لیا۔ یہاں احقر چشم دید واقعہ عرض کرتا ہے:

سال یاد نہیں البتہ فراغت کے بعد ایک دفعہ جب کفش بوسی کیلئے حاضر ہوا تو صبح کے ناشتے پر علامہ انور صابری تشریف لائے اور حضرت کے کان میں چپکے سے کچھ کہا۔ حضرت جلد ہی ناشتہ سے فارغ ہو کر کہیں تشریف لے گئے اور کچھ دیر بعد واپس تشریف لائے۔ تحقیق کرنے پر بعض احباب سے معلوم ہوا کہ دیوبند میں ایک آدمی حضرت کے خلاف ہر قسم کی سازش کا بانی تھا، کئی دنوں سے حیات اور موت کی کشمکش میں مبتلا تھا جس کی سفارش علامہ صابری نے کرتے ہوئے عرض کیا کہ حضرت اسے معاف فرمادیں تاکہ وہ اس تلخی سے آزاد ہو جائے۔ حضرت نے بجائے یہاں سے معاف کر دینے کے خود اس کے گھر جا کر نہ صرف اسے معاف فرمایا بلکہ قرآن عزیز کی چند آیات بھی تلاوت فرمائیں جن کی برکت سے اس کی روح پرواز کر گئی۔

(ماہنامہ ''الارشاد'' بابت رجب المرجب ۱۳۹۶ھ)

(۴) خطیب صاحب علماء دیوبند کی تکفیر کرنے والوں میں سے تھے

ایک دفعہ جائس (نصیر آباد) کے دورہ کے موقع پر جمعہ کی نماز قصبہ میں پڑھنے تشریف لے گئے۔ خطیب صاحب علماء دیوبند کی تکفیر کرنے والوں میں سے تھے۔ انہوں نے اس تشریف آوری سے غلط فائدہ اٹھا کر اپنے دل کی بھڑاس نکالی مگر حضرت خاموش بیٹھے رہے۔ اسی امام کی اقتداء میں نماز ادا کر کے اپنی قیام گاہ پر تشریف لائے اور کسی سے بھی اس کا ذکر تک نہ فرمایا۔ (مقدمہ مکتوبات ج:۲ ص:۷)

(۴) کافر اور جہنمی قرار دینے والوں کے جواب میں

ضلع اعظم گڑھ کے بعض منتظمین نے حضرت مدنی کے خلاف بہت کچھ کہا۔ جب بعض اکابر نے اس جرم پر متنبہ کیا تو ایک طویل خط حضرت مدنی کی خدمت میں لکھا جس کے جواب کے چند جملے درج ذیل ہیں:

مجھے تعجب ہے آپ نے والا نامہ میں میرے متعلق اس قدر حسن ظن کا اظہار فرما رہے ہیں اور آپ حضرات نے ابھی ابھی جلسہ ''بیت العلوم'' میں مجھ کو قطعی کافر، جہنمی قرار دیا ہے۔ خوشی خوشی میری تکفیر کی اشاعت فرمائی۔ میں تو اس کو اپنی خوش نصیبی سمجھتا ہوں کہ مجھ کو سنت رشیدی و قاسمی و محمودی و خلیلی و اشرفی نصیب ہو رہی ہے۔ ان سب باتوں کے ہوتے ہوئے میری نسبت ان الفاظ مدحیہ سے تخاطب و کلام میری سمجھ سے باہر ہے۔ بہتر ہے اس مقام میں غلو فرمایئے اور تکفیر کی گھوڑ دوڑ میں سبقت لے جایئے مگر یاد رکھئے یہ طریقہ اصلاح امت کا نہیں ہے۔ (مکتوبات ج:۳ ص:۱۵۱)

(۵) میں سب کو معاف کر چکا ہوں

بنگال کے سفر میں حضرتؒ کے ساتھ ایک جگہ لوگ سخت گستاخی سے پیش آئے۔ اخبارات میں اس کا چرچا ہوا تو چودھری مقبول الرحمان خان سیوہاروی نے ان لوگوں کی ہجو میں ایک نظم لکھی جس میں ان کیلئے کچھ بد دعائیں بھی تھیں اس نظم کے بارہ میں انہوں نے مجھ سے مشورہ کیا غرض اس کو صاف کر کے میں نے اشاعت کیلئے ایک مشہور اخبار ''مدینہ بجنور'' میں بھیج دیا۔ جب وہ شائع نہیں ہوئی تو میں نے مولوی مجید حسن کو بطور شکایت خط لکھا تو مولوی صاحب نے جواب دیا کہ جب وہ نظم یہاں پہنچی تو حضرت دفتر ہی میں تشریف فرما تھے۔ ہم نے سنائی تو فرمایا کہ اس کو شائع نہ کیا جائے۔ اس لئے ہم اس کو اخبار میں شائع نہیں کر سکتے۔ اگلے مہینے حضرت سیوہار تشریف لائے۔ میں نے عرض کیا کہ آپ نے ہماری نظم کو شائع ہونے سے کیوں روک دیا؟ فرمایا کہ بھائی صاحب!

میرے ساتھ جس کسی نے جو کچھ کیا ہے یا آئندہ کرے گا میں سب کو معاف کر چکا ہوں۔ آپ میری وجہ سے کسی کو بُرا بھلا نہ کہیں اور نہ بد دعا دیں۔

(شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی واقعات وکرامات کی روشنی میں ص:۲۸)

(۶) سخت کلامی پر مسکرانا

حضرتؒ سیوہار میں تشریف فرما تھے، باہر کا کوئی شخص آیا، اس نے کچھ باتیں کیں اور آخر میں سخت کلامی پر اتر آیا۔ حضرت سنتے رہے اور مسکراتے رہے۔ بالآخر وہ شخص شرمندہ ہوا اور ہاتھ جوڑ کر معافی مانگنے لگا۔ (ص:۳۰)

(۷) غریب ڈرائیور کی کیا خطا؟

مئی ۱۹۵۴ء کی گرمی شباب پر ہے مولانا بشیر احمد صاحب فیض آبادی کا نکاح فیض آباد میں عشاء کے بعد پڑھ کر رات ہی میں ,,ٹانڈہ'' واپسی طے ہے۔ پانچ بجے رات کو کار سے روانگی ہوتی ہے۔ ''اکبر پور'' میں نمازِ مغرب جماعت سے ادا کرنے کے بعد کار خراب ہو جاتی ہے۔ ڈرائیور درست کرتا ہے، دس پندرہ منٹ چلنے کے بعد پھر خراب ہو جاتی ہے۔ غرضیکہ اس طریقے سے درست کر کر کے چلنے کے بعد تقریباً گیارہ بجے شب میں فیض آباد پہنچنا ہوا۔ ہم لوگ ڈرائیور پر سخت ناراض ہو رہے ہیں۔ کرایہ دینے میں پس و پیش کر رہے ہیں مگر حضرت سفر کے تکان، زیادتیٔ وقت، وعدہ خلافی وغیرہ کے باوجود صبر کا پہاڑ بنے ہوئے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ اس غریب ڈرائیور کی کیا خطا ہے؟ غرضیکہ دوسرے دن فجر کے بعد نکاح ہوا اور نو بجے دن کو دوسری کار سے ''ٹانڈہ'' واپسی ہوئی۔ (ص:۵۴)

(۸) حضرت آپ کا پائجامہ ٹخنے سے نیچے کیوں ہوتا ہے؟

درس کے وقت طلبہ سوالات پرچوں پر لکھ کر حضرت کی خدمت میں پیش کر دیا کرتے تھے۔ حضرت درس سے فارغ ہو کر ان کو پڑھ کر سناتے اور جواب دیتے تھے۔

ان میں سے بعض پرچیاں حضرت کے ذاتی معاملات سے بھی متعلق ہوتی تھیں جن میں بعض تلخ باتیں بھی ہوتی تھیں مگر حضرت اس کا جواب بھی نہایت خندہ پیشانی نے ساتھ دیتے تھے۔ ملاحظہ ہو ایک پرچی:

حضرت! آپ ٹخنوں سے نیچے پائجامہ کیوں پہنتے ہیں؟ یہ تو از روئے حدیث حرام ہے؟ حضرت یہ پرچی سناتے ہی فوراً کھڑے ہو گئے، فرمایا کون کہتا ہے کہ میں ٹخنوں سے نیچے پائجامہ پہنتا ہوں۔ دیکھئے میرا پائجامہ کہاں ٹخنوں سے نیچے ہے؟ ہوسکتا ہے کبھی غیر شعوری اور غیر ارادی طور پر نیچے ہو جاتا ہو، پھر بھی میں احتیاط اور خیال رکھتا ہوں۔ بھلا میں اس کی جرأت بھی کیسے کر سکتا ہوں جبکہ حدیث میں اس کی صریح ممانعت ہے۔ (ص:۵۹،۶۰)

(۹) ہم جیسے لوگ انگریزوں سے زیادہ دے سکتے ہیں

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی فرماتے ہیں:

ایک مرتبہ حضرت کو جمعیت کے کسی پروگرام کے سلسے میں رنگون جانا ہوا۔ وہاں سے واپسی بحری جہاز سے براہ کلکتہ ہوئی۔ میزبان نے حضرت کے آرام کی خاطر اپنے خاص خادم کو بھی ساتھ کر دیا۔ حضرت کا ٹکٹ اول درجہ کا تھا اور خادم کا تیسرے درجہ کا مگر چونکہ حضرت کی سیٹ جس کمرہ میں تھی اس میں کوئی مسافر نہ تھا اس لئے حضرت کی خواہش یہ تھی کہ خادم بھی اس میں ساتھ رہے لیکن جب جہاز کا ملازم آتا تو خادم کے وہاں رہنے پر معترض ہوتا چنانچہ حضرت نے یہ کیا کہ خود ہی تیسرے درجہ میں اس خادم کے ساتھ زیادہ وقت گزارنے لگے۔ سفر ختم ہوا اور جہاز چوتھے روز ساحل پر آ لگا۔ جہاز کے ملازم نے اگرچہ راستے میں حضرت کو تکلیف پہنچائی تھی مگر اپنے دستور کے مطابق حضرت کی خدمت میں انعام اور بخشیش حاصل کرنے کیلئے حاضر ہوا۔ خدام نے عرض کیا حضرت! اس نے راستے میں ہم لوگوں کو تکلیف پہنچائی ہے اس لئے کچھ انعام

مت دیجئے۔ حضرت نے فرمایا نہیں اس کا حق دیا جائے گا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب بڑے سے بڑا انگریز بھی زیادہ سے زیادہ ایک روپیہ دیا کرتا تھا اور اس وقت کا ایک روپیہ اس وقت کے دس روپیہ کے برابر۔ حضرت نے چار روپے گن کر اسے دینے کیلئے ہاتھ بڑھایا مگر ملازم نے یہ سوچ کر کہ شاید ہم نے راستے میں ان کے ساتھ بد سلوکی کی ہے اس لئے اسے مذاق سمجھ کر اس نے روپیہ لینے کیلئے ہاتھ نہیں بڑھایا۔ حضرت نے اس کی پشیمانی اور شرم کو محسوس کرتے ہوئے فرمایا کہ لو یہ تمہارے ہی لئے ہیں۔ پھر اس نے لے لئے۔ بعد میں خادم نے عرض کیا کہ حضرت! اس نے ہم لوگوں کو تکلیف پہنچائی، ہمیں آپ کی خدمت میں رہنے کا موقع نہیں دیا اور آپ نے اس کو اکٹھے چار روپے دے دیئے۔ حضرت نے فرمایا کہ بھائی اصل بات یہ ہے کہ یہ بیچارہ یہ سمجھتا تھا کہ انعام و بخشش ہمیں صاحب بہادروں اور انگریزوں سے ملتی ہے، ہماری جیسی مولویانہ صورتوں سے اسے انعام کی توقع اور امید نہیں تھی، اس لئے اس نے ہم لوگوں کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا۔ (ص: ۶۰، ۶۱)

(۱۰) بے صبرا خدمت گزار

ایک مرتبہ مسجد میں نماز مغرب کی جماعت کھڑی ہو گئی تھی۔ حضرت نے جلدی سے مسجد میں داخل ہو کر جماعت میں شریک ہو جانا چاہا۔ حسب دستور چند طلبہ اور دوسرے لوگ ساتھ تھے۔ حضرت جوتا نکالنے لگے تو کسی نے آگے بڑھ کر جوتا لینا چاہا۔ جوتا ابھی پوری طرح پاؤں سے نکلا نہیں تھا کہ ان صاحب کا ہاتھ اس جوتے پر اس طرح پڑ گیا کہ حضرت الجھ کر گر پڑے۔ فوراً اٹھے اور جماعت میں شامل ہو گئے۔ نہ گرنے کا کچھ خیال فرمایا اور نہ اس بے صبرے خدمت گزار سے کچھ کہا۔ (ص: ۶۲)

(۱۱) مظلوم بننا کتنا مفید ہے؟

حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ فرماتے ہیں:

ایک مرتبہ دار العلوم دیوبند کے طلبہ میں اور بستی والوں میں فساد کی صورت پیدا ہوگئی۔ طلبہ مظلوم تھے اس لئے ان کو انتقام کی فکر تھی۔ جذبات اتنے مشتعل تھے کہ ان پر قابو پانا طاقت سے باہر تھا۔ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی صدارت میں اساتذہ اور طلبہ کا ایک اجتماع ہوا۔ اس موقع پر حضرتؒ نے تقریر فرمائی۔ واقفیت رکھنے والے حضرات جانتے ہیں کہ حضرت صرف خطابت کی حیثیت سے ایسے ممتاز خطیب نہ تھے کہ صرف زورِ خطابت سے مجمع پر قابو پا لیتے لیکن قدرت نے جو روحانی طاقت دی تھی اس موقع پر اس کا ظہور ہوا۔ حضرت نے ایسے مؤثر انداز میں تقریر فرمائی کہ آج پندرہ سال کے بعد بھی اس کی آواز میرے سامعہ میں گونج رہی ہے۔ موضوع تقریر تھا "مظلوم بننا کتنا مفید ہے" اور انتقام اگرچہ برحق ہو لیکن اس حق کو چھوڑنا اللہ تعالیٰ کی کن کن رحمتوں کا ذریعہ بنتا ہے۔ میں نے دسیوں تقریریں حضرت کی سنی تھیں لیکن زندگی میں پہلی مرتبہ مشکل ترین وقت میں جہاں کہ لوگوں کے حوصلے ختم ہو چکے تھے ایسی مؤثر تقریر فرمائی کہ یوں محسوس ہوتا تھا کہ جیسے آسمان سے آگ پر پانی برس رہا ہے۔ ایک گھنٹہ کی تقریر میں سارے مشتعل جذبات ایسے سرد پڑ گئے کہ گویا ایک شیطانی طلسم تھا، فرشتوں کے ظہور سے ایک آن میں ٹوٹ گیا، ہر طرف سکون ہی سکون تھا۔ (ص: ۱۱۲، ۱۱۳)

(۱۲) ایک طبیب کی روسیاہی

ایک بستی میں ایک صاحب حضرت کو بہت ہی کڑی کڑی گالیاں دیا کرتے تھے جن سے سننے والے کا دل لرزنے لگتا تھا۔ قدرت نے ان سے اس طرح انتقام لیا کہ اب سے ایک سال پیشتر ان کے چہرے پر ایسے آبلے پڑے کہ ان کا سارا منہ سوج گیا اور پھر توے کی مانند بالکل سیاہ ہوگیا۔ وہ صاحب باوجود طبیب ہونے کے اپنی روسیاہی کو عبرت کا منظر بننے سے نہ روک سکے اور خود اعتراف کرتے تھے کہ مجھے حضرت مدنی کو گالیاں دینے کی سزا ملی ہے۔ (ص: ۱۸۱)

(۱۳) حضرت مولانا کی وسعت قلبی

جناب مسعود حسن صدیقی صاحب فرماتے ہیں:

ہماری انجمن ''اصلاح المسلمین'' کا جلسہ تھا جس رات مولانا کی تقریر تھی اسی دن مولانا کو جامع مسجد میرٹھ کے باہر کار سے اترتے وقت اطلاع دی گئی کہ ڈاکٹر سر محمد اقبال کا انتقال ہو گیا، اناللہ پڑھا اور جلسے میں تقریر سے پہلے بڑے دل سوز انداز میں اس حادثہ کا تذکرہ فرمایا اور حاضرینِ جلسہ سے کہا کہ آپ سب حضرات ڈاکٹر صاحب کی مغفرت کیلئے دعا کریں چنانچہ مولانا کے ساتھ ہزاروں کے مجمع نے دعاء مغفرت کی۔ یہ بات غیر معمولی نہ ہوتی اگر ڈاکٹر نے حضرت مولانا کے خلاف قومیت کے مسئلہ پر اتنے سخت الفاظ استعمال نہ کئے ہوتے۔ اس سے حضرت مولانا کی وسعتِ قلبی کا اندازہ ہوتا ہے۔ (ص:۲۷۹)

(۱۴) گستاخی کرنے والے کی لاش بھی نہ ملی

۱۹۴۷ء کا زمانہ تھا، ابھی پاکستان وجود میں نہیں آیا تھا۔ حضرت مدنی سرحد کے سفر سے واپس ہو رہے تھے جس وقت آپ کی ٹرین جالندھر اسٹیشن پر پہنچی اس وقت مسلم لیگ کا سرگرم رکن ایک نوجوان شمس الحق اپنے ساتھیوں کے ساتھ لیگی راہنماؤں کے استقبال کیلئے موجود تھا مگر وہ آئے نہیں۔ اتفاقاً شمس الحق کی نظر حضرت پر پڑ گئی۔ وہ گاڑی روکتے ہوئے اپنے ساتھیوں کے ساتھ حضرت کے ڈبہ میں گھس گیا، گالی گلوچ کی، ڈاڑھی پکڑ کر نوچی، منہ پر ایک طمانچہ بھی مارا۔ حضرت صبر کی تصویر بنے رہے، آہ تک نہ کی، گاڑی روانہ ہو گئی۔ یہ کارنامہ شمس الحق نے جالندھر مسلم لیگ کے نائب صدر مولانا عظامی کو سنایا۔ وہ سنتے ہی کانپ گئے اور کہا کہ اگر یہ واقعہ سچ ہے تو جس نے حضرت مدنی کی ڈاڑھی پہ ہاتھ ڈالا ہے اس کی لاش بھی نہیں ملے گی۔ زمین اس کو اپنے اندر جگہ نہیں دے گی۔ یہ شمس الحق وہی نوجوان ہے جو پاکستان بننے کے بعد لائکپور

(موجودہ فیصل آباد) قتل وخون کا شکار ہوا جس کی نعش کا پتہ نہ چل سکا، نہ کفن ملا، نہ قبر بنی، کسی نے کہا کہ بھٹہ میں زندہ جلا دیا گیا، کسی نے کہا کہ لاش کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے دریا میں بہا دیا گیا۔ پولیس نے اس کیلئے انعام بھی رکھا لیکن شمس الحق کا کہیں سراغ نہ ملا۔ (ص: ۳۰۰)

مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم

(۱) مخالفوں سے سلوک

فرمایا وہ لوگ جنہیں قدرت محاسن ومحامد سے نوازتی ہے ان کے مخالف کمزور ہوتے ہیں لیکن ایسے حریف لائق اعتناء نہیں ہوتے۔ انہیں جواب دینے سے جواب نہ دینا ہی بہتر ہے۔ آدمی مخالفوں سے الجھ کر کچھ پاتا نہیں کھوتا ہے۔ لڑائی مخالفین سے نہیں نظریات سے ہونی چاہئے جو اصولوں کے بجائے آدمیوں سے لڑتے ہیں وہ اپنے افکار ونتائج کو خود گزند پہنچاتے ہیں۔

فرمایا مخالفین سے ذاتیات کی جنگ میں ہجو ملیح یا ہجو قبیح مزہ تو دیتی ہے مگر یہ ایک ایسا نشہ ہے جیسا بعض لوگ بھنگ پی کر سرور حاصل کرتے ہیں افیون کھا کر سرشار ہوتے ہیں اور شیشہ شراب اٹھا کر ماورائے کائنات چلے جاتے ہیں۔ ادھر نشہ اترتا ہے تو ابکائیاں آنے لگتی ہیں پھر وہ دن سرعت سے آتا ہے جب محسوس ہوتا ہے کہ صحت کی دیوار گر چکی ہے اور اعضاء ساتھ نہیں دے رہے ہیں۔ مسلمانوں کیلئے رسول اللہ ﷺ کا اسوہ حسنہ نسخہ شفا ہے۔ دشمنوں سے کیا سلوک ہونا چاہیے وہ سب رسول اللہ ﷺ کے اسوہ حسنہ میں ہے۔ اس کے بعد کسی مدرسہ سے سبق لینے کی ضرورت نہیں ان کا اتباع ہی اس مرض کا علاج ہے۔ میں نے اپنے حریفوں سے اعتناء ہی نہیں کیا لوگ دین کی مسند پر بیٹھ کر ژاژ خواہی کرتے ہیں۔ سیاست تو دنیوی چیز ہے اور اس کی مثال میکدے کی سی ہے کہ جام ہی نہیں ٹکراتے عمامے بھی اچھلتے ہیں مخالفوں کو جواب دینے کا مطلب

ہے کہ ہم نے ان کو تسلیم کرلیا اور یہ عشق مقصد کے منفی ہے۔

(مولانا ابوالکلام آزاد ص:۱۹۷ از شورش کاشمیری)

(۲) مخالفوں کی تحسین

فرمایا کہ اپنے مخالفوں کی تحسین کیا کرو کہ یہ ان کیلئے سب سے بڑی سزا ہے۔

(ایضا ص۱۰۲)

(۳) مخالفوں کا نہ جواب دیا، نہ کتاب دیکھی

مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی مسلکِ اہلِ حدیث میں نامور بزرگ تھے۔ انہوں نے واضح البیان میں مولانا کو ہدف تنقید بنایا اور جو کچھ لکھا اس کا رنگ مناظرانہ تھا۔ مولانا غلام رسول مہر ایڈیٹر ''انقلاب'' نے مولانا ابوالکلام آزاد کو مطلع کیا اور وہ اعتراض بھی لکھ دیے جو مولانا ابراہیم نے ترجمان القرآن کی جلد اول پر فرمائے تھے۔ مولانا صاحب نے مہر صاحب کو ان اعتراضات کا جواب لکھا لیکن خط کے آخر میں تحریر کیا کہ برائے عنایت مجھے کتاب نہ بھیجئے میرا نہ دیکھنا ہی بہتر ہے۔ ۱۹۱۸ء میں میں نے جن تین باتوں کا عہد کیا ان میں سے ایک یہ ہے کہ کسی شخص کو جو مناظرانہ طریقے پر میرے خلاف کچھ لکھے گا نہ تو جواب دوں گا نہ اس کی شکایت سے اپنے نفس کو آلودہ ہونے دوں گا۔ (ایضا ص:۳۱۵)

حضرت اقدس مفتی محمد حسن صاحبؒ

امرتسر کے جس کوچہ میں مسجد نور واقع تھی اس کوچہ میں مکانوں کی پشت لگتی تھی ان تمام مکانوں کے پرنالے اسی کوچہ میں گرتے تھے۔ پرنالے بھی اتنے بڑے بڑے اور کھلے تھے کہ اوپر سے کوئی خورد سالہ بچہ اس میں گر پڑے تو آسانی کے ساتھ نیچے آجاوے۔ یہ مکانات سب کے سب تاجرانِ چرم کے تھے جو بڑے امیر آدمی تھے ان

کی خادمائیں گھر کا تمام کوڑا کرکٹ اور غلاظت ان پرنالوں کے ذریعہ نیچے پھینک دیتی تھیں۔

ایک دفعہ حسب معمول حضرت والا درس کیلئے مسجد نور آرہے تھے کہ ایک پرنالے سے گندا پانی گرا اور سب کا سب آپ کے اوپر گرا۔ تمام کپڑے خراب ہوگئے۔ مبارک شاہ حضرت والا کا خادم چونکہ پٹھان تھا اس لئے بہت سیخ پا ہوا۔ کہنے لگا میں ابھی اوپر جاکر اس خادمہ کے جوتے لگواتا ہوں۔ حضرت والا نے فرمایا خاموش رہو بالکل کچھ نہ کہنا۔ پھر حضرت والا نے اسی وقت غسل کیا، کپڑے بدلے، اپنے مشاغل پورے کئے اور معمول کے مطابق درس دیا۔ جب دھوبی کو گندے کپڑے دھونے کیلئے دیئے تو دیگر خدام کو پتہ چلا کہ یہ واقعہ ہوا ہے۔

ایک صاحب نے ان مکان والوں کو سارا واقعہ سنا کر متنبہ کیا اور ان پرنالوں کا ایسا بندوبست کیا کہ کسی نمازی پر گندی چھینٹ تک نہ پڑے۔

پھر ایک خادم نے پوچھا کہ آپ نے مبارک شاہ کو تنبیہ کرنے کی اجازت کیوں نہ دی تھی؟ فرمایا یہ ہمارے پیغمبر ﷺ کی سنت ہے کہ آپ ﷺ پر بارہا گندا کوڑا ڈالا گیا اور آپ نے صبر اختیار فرمایا حالانکہ وہ فعل تو جان بوجھ کر کیا جاتا تھا جبکہ یہ بیخبری سے ہوا ہے اس لئے یہاں صبر ہی بہتر تھا۔

چونکہ اس واقعہ کی خبر تاجرانِ چرم کو ہوچکی تھی اس لئے انہوں نے حضرت والا کے پاس آکر معافی مانگی اور معذرت چاہی اور ان میں سے کئی ایک تو حضرت والا کے برتاؤ سے اتنے متاثر ہوئے کہ وہ نہ صرف درس اور پنج وقتہ نماز کیلئے مسجد میں آنے لگے بلکہ اپنی ساری خرافات سے تائب ہوکر دل سے یادالٰہی میں مصروف ہوگئے۔

(احسن السوانح ص:۲۳۶، ۲۳۷)

حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنویؒ

حضرت شاہ (مولانا محمد یعقوب مجددی) صاحب مولانا لکھنوی کی بے نفسی کے واقعات بھی سناتے تھے۔ فرمایا کہ ایک مرتبہ میرے کہنے پر جمعہ کی نماز پڑھائی سورۃ ''والتین'' کے آخر میں بجائے ''فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ'' کے ''لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ'' پڑھ دیا۔ مقتدیوں میں ایک صاحب بڑے سادہ لوح اور جلد باز تھے پوری طرح سے سلام بھی نہیں پھیرا تھا کہ پکار کر کہا صاحبو! ٹھہر جاؤ نماز دوبارہ ہوگی۔ مولانا نے میری طرف دیکھا اور فرمایا دوبارہ نماز پڑھاؤں؟ میں نے کہا کہ آپ ان باتوں کا کچھ خیال نہ کریں یہ بڑے بھولے آدمی ہیں۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ مولانا ایسے جلیل القدر عالم اور علم الفقہ کے مصنف تھے لیکن بے بسی اور تواضع کا یہ عالم تھا کہ یہ نہیں فرمایا کہ بھائی میں بھی کچھ پڑھا لکھا ہوں نماز ہوگئی۔

(پرانے چراغ ج:۲ ص:۲۲۲)

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ

(۱) مولوی صاحب آپ نے ڈاڑھی سکھوں کی طرح چھوڑی ہوئی ہے اسے سنت کے مطابق کریں

سید امین احسن گیلانی لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ جمعہ کے وعظ میں اچانک ایک شخص اٹھا اور نہایت گستاخی کے انداز میں چیخا کہ مولوی صاحب آپ نے ڈاڑھی سکھوں کی طرح چھوڑی ہوئی ہے اسے سنت کے مطابق کریں۔ تمام مجمع حیرت میں آگیا اور بہت سے حضرات اس شخص پر لپکنے لگے مگر حضرت نے فوراً ڈانٹا اور فرمایا خبردار سب اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ جاؤ۔ سب خاموشی سے بیٹھ گئے تو حضرت نے بڑی نرمی اور متانت سے اس شخص سے فرمایا بھائی جمعہ کے بعد تسلی سے مجھے مسئلہ سمجھا دینا یا مسئلہ

سمجھ لینا۔ پھر جمعہ کے بعد کچھ خاص لوگوں کی موجودگی میں حضرت نے اس شخص سے گفتگو فرمائی اور مسئلہ سمجھا دیا۔

(مولانا احمد علی لاہوری کے حیرت انگیز واقعات ص:۲۶۷ بحوالہ دو بزرگ)

(۲) چھتیس برس میں کسی کو نہیں ڈانٹا

حضرت مولانا بشیر احمد صاحب پسروری خلیفۂ مجاز حضرت اقدس مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ شاگردوں، مریدوں اور متعلقین سے ملی جلی زندگی میں سینکڑوں غلطیاں ہوا کرتی ہیں جس پر طبیعت میں رنج اور غصہ کا آنا معمولی بات سمجھی جاتی ہے لیکن چھتیس برس میں میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ حضرت رحمہ اللہ تعالی نے کسی کو ڈانٹا ہو یا سختی برتی ہو۔ ہزاروں کی تعداد میں گمراہوں نے توبہ کی، بھولے ہوئے راہِ راست پر آئے، غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا، منکرینِ حدیث صراط مستقیم پر آئے۔ (ایضاً ص:۲۶۸ بحوالہ خدام الدین ص:۳۵، ۲۲ فروری ۶۳ء)

(۳) جو لوگ مجھے گالیاں دیتے ہیں ان کیلئے دعا کرتا ہوں

محمد یونس رحمہ اللہ تعالی راوی ہیں کہ ایک مرتبہ چند اصحاب حضرت رحمہ اللہ تعالی کی خدمت میں حاضر تھے۔ اتفاق سے میں بھی اسی مجلس میں شریک تھا کہ ایک شخص اپنے لڑکے کو لے کر حاضر ہوا اور عرض کیا حضور اس بچے کیلئے تعویذ بنا دیں کبھی یہ لاہور سے چلے جانے کی دھمکی دیتا ہے اور کبھی خودکشی کی، شاید اسے سایہ ہے۔

حضرت رحمہ اللہ تعالی نے فرمایا اسے جسمانی مرض ہے کسی حکیم یا ڈاکٹر کو دکھلایئے اور لڑکے سے مخاطب ہو کر فرمایا بیٹا ایسے خیالات دل سے نکال۔ اس پر وہ شخص بگڑ گیا اور کہنے لگا ہم گیارہ بجے سے منتظر تھے کہ آپ سے تعویذ لیں گے اور آپ نے پرواہ تک نہیں کی۔ حضرت رحمہ اللہ تعالی اسے غصے میں دیکھ کر مسکرائے اور کہا اگر کسی کا میرے ہاتھ سے بھلا ہو جائے تو میرا کیا نقصان ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ بچے کو جسمانی

مرض ہے اور میں ڈاکٹر طبیب نہیں ہوں مگر وہ شخص اور زیادہ بگڑ گیا کہنے لگا ہمیں آپ سے یہ امید نہ تھی ہم سب حیران تھے کہ حضرت کس طرح برداشت کر رہے ہیں۔ آخر حضرت نے بڑے تحمل سے فرمایا اچھا ہمارے پاس تو پھر دعا ہی ہے کر دیتے ہیں اللہ تعالی اپنے فضل وکرم سے صحت عطا فرمائے گا۔ اس کے بعد بھی وہ شخص غصے سے ہی بات کرتا رہا مگر حضرت رحمہ اللہ تعالی نے ایک بار بھی تلخ جواب نہیں دیا۔ آپ رحمہ اللہ تعالی فرمایا کرتے تھے جو لوگ مجھے گالیاں دیتے ہیں ان کے لئے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالی انہیں ہدایت فرمائے۔ (ایضاً ص:۲۶۸ بحوالہ مرد مؤمن ص:۱۷۵)

(۴) تقاریر میں کوسنے والے سے بغل گیر ہو گئے

سید امین گیلانی لکھتے ہیں کہ حضرت اقدس لاہوری رحمہ اللہ نے ایک روز اتحاد بین المسلمین اور اخلاقیات کے موضوع پر باتیں کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک مولوی صاحب اپنی تقاریر میں ہمیشہ مجھے کوستے تھے۔ طعن وطنز، تشنیع اور دشنام کا نشانہ بناتے تھے۔ میں نے کبھی ان کی باتوں کا جواب نہ دیا، نہ برا منایا۔ ایک روز اتفاق سے سرِ راہ اُن کا اور میرا آمنا سامنا ہو گیا۔ انہوں نے مجھے دیکھا تو فوراً ایک دوسرے بازار کا رخ کر لیا۔ میں بھی ادھر ہی مڑ گیا۔ وہ ایک مسجد کے استنجا خانے میں چلے گئے۔ میں مسجد کے باہر انتظار کرتا رہا جب وہ باہر آئے تو السلام علیکم کہہ کر میں ان کے ساتھ چل پڑا اور کہا کہ مولوی صاحب! آپ مجھے جتنا بھی چاہے برا بھلا کہہ لیا کریں مجھے گوارا ہے مگر یہ گوارہ نہیں کہ باہم سلام دعا تک نہ رہے ایسا تو بے علم کرتے ہیں علماء کا یہ کردار عوام پر کیا اثر چھوڑے گا۔ اگر آپ دیانت داری سے میرے عقیدے کو خلاف شریعت سمجھ کر مجھے برا بھلا کہتے ہیں تو آپ اجر کے مستحق ہیں۔ اگر خدا نہ کرے دانستہ تعصب سے ایسا کرتے ہیں تو خدا گواہ میں نے آپ کو معاف کیا۔ یہ الفاظ سن کر وہ بہت نادم ہوئے اور کہا مولوی صاحب! آئندہ میں کبھی آپ کے خلاف کچھ نہ کہوں گا۔ بغل گیر ہوئے۔ ہم دونوں اپنی اپنی راہ پر چل پڑے پھر واقعی انہوں نے کبھی مجھے

برا نہ کہا۔ (ایضاً ص:۲۶۸، ۲۶۹ بحوالہ دو بزرگ ص:۴۴)

حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھریؒ

حضرت قدس سرہ وقار ومتانت کا مجسمہ تھے۔ کبھی کسی کی بات یا عمل کی غلطی پر اسے شرمندہ نہ فرماتے تھے۔ دانستہ غلطیوں پر مناسب تنبیہ اور نادانستہ پر اغماض کی عادت تھی۔ ایک دفعہ بورے والا کے سفر میں آپ کے ساتھ ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ بورے والا میں حاجی محمد شریف صاحب ملتانی رحمہ اللہ کے بعض اعزہ کے ہاں مہمان تھے۔ روانگی سے قبل آپ کے ایک عقیدت مند کا شدت سے اصرار ہوا کہ ناشتہ میرے غریب خانہ پر کیا جائے۔ حضرت مولانا نظامِ سفر بنا چکے تھے اس میں کسی قسم کی تبدیلی کے روادار نہ تھے۔ بالآخر اس کے اصرار پر فرمایا کہ آپ تھوڑی سی کوئی چیز لاری اڈے پر بھجوادیں میں کھالوں گا۔ وہ صاحب خوشی خوشی گھر سے کچھ حلوہ بنوا لائے۔ حضرت والا نے ایک جگہ بیٹھ کر تناول فرمایا اور برتن واپس کر دیئے۔ حضرت کا خادم ہمراہ تھا وہ اس خلافِ معمول عمل پر حیران تھا کہ حضرت نے آج پوچھا تک نہیں۔ اتنے میں روانگی کا وقت ہوگیا حضرت والا عازم سفر ہوگئے۔ میزبان گھر پہنچے باقی ماندہ حلوہ چکھا تو افسوس وندامت میں ڈوب گئے کہ سخت کھارا اور کڑوا تھا۔ ہوا یوں کہ خاتونِ خانہ نے غلطی سے پسی ہوئی چینی کی بجائے نمک ڈال دیا تھا عجلت میں کسی نے چکھا نہیں اور پلیٹ حضرت والا تک پہنچ گئی۔

حضرت رحمہ اللہ پہلے لقمے پر ہی کمالِ فراست سے اصل حقیقت سمجھ گئے اور صاحب خانہ کو شرمندگی سے بچانے کی خاطر کھارا بلکہ کڑوا حلوہ خود ہی ختم فرما دیا۔

(بیس مردان حق ج:۲ ص:۳۱)

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحبؒ

(۱) مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم رقمطراز ہیں:

حضرت والد صاحب رحمہ اللہ کو جھگڑوں، تنازعات اور نزاع وجدال سے طبعاً نفرت تھی اور جب تک کوئی واقعی دینی ضرورت داعی نہ ہو آپ اپنے حق کے لئے بھی کبھی جھگڑوں میں پڑنا پسند نہیں فرماتے تھے۔ نہ جانے زندگی میں کتنے مواقع ایسے آئے کہ آپ نے تنازعات سے بچنے کے لئے اپنا جائز اور قیمتی سے قیمتی حق چھوڑ دیا۔ اس سلسلے میں آپ ایک حدیث اکثر سنایا کرتے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

أَنَا زَعِيمُ بَيْتٍ فِي وَسَطِ الْجَنَّةِ لِمَنْ تَرَكَ الْمِرَاءَ وَهُوَ مُحِقٌّ (او کما قال)

میں اس شخص کے لئے جنت کے بیچوں بیچ گھر دلوانے کی ضمانت لیتا ہوں جو حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا چھوڑ دے۔

اس حدیث پر عمل کی حیرت انگیز مثال وہ واقعہ ہے جو دارالعلوم نانکواڑہ کی جگہ تنگ پڑنے پر نئی جگہ دارالعلوم قائم کرنے کے وقت پیش آیا۔ یہ واقعہ ''اصلاحی تقریریں'' از مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم میں اس طرح مذکور ہے۔

''والد صاحب اور ہم ۱۹۴۸ء میں پاکستان آگئے۔ دو تین سال تو اسی کوشش میں گزر گئے کہ نظامِ تعلیم میں تبدیلی آجائے لیکن جب مایوسی ہوئی تو والد صاحب نے ایک دینی مدرسہ قائم کرنے کا ارادہ کیا۔ اس زمانے میں پورے کراچی کے اندر دینی تعلیم کا کوئی مدرسہ نہیں تھا۔ صرف ایک چھوٹا سا مدرسہ ''کھڈہ'' میں تھا جو بہت پرانا چلا آرہا تھا لیکن اب وہ بھی گمنام سا ہوگیا تھا۔ والد صاحب نے نانک واڑہ کے محلے میں ایک مدرسہ قائم کیا۔

جیسے ہی یہ مدرسہ قائم ہوا تو مشرقی و مغربی پاکستان کے تمام صوبوں بلکہ دوسرے ملکوں سے بھی جوق در جوق طلبہ آنا شروع ہو گئے کیونکہ اس وقت مدارس کے اعتبار سے پورے ملک کی کیفیت یہ تھی کہ ایک مدرسہ ملتان میں تھا۔ ایک مدرسہ لاہور میں تھا اور ایک مدرسہ اکوڑہ خٹک میں تھا اور شاید چھوٹے چھوٹے دو چار مدرسے اور ہوں گے۔

طلبہ کی کثرت کی وجہ سے یہ جگہ تنگ پڑ گئی۔ اب اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ کوئی کشادہ جگہ حاصل کر کے وہاں دارالعلوم منتقل کیا جائے کیونکہ اس مدرسہ میں بہت تنگی تھی طلبہ جہاں پڑھتے تھے انہی کمروں میں ان کے بستر لگے ہوتے تھے۔ صبح کو اٹھتے تو بستر لپیٹ کر رکھ دیتے یہ درسگاہ بن جاتی۔ سبق ختم ہونے کے بعد دوپہر یا رات کو لیٹنے کا وقت ہوتا تو بستر بچھا دیتے، یہ سونے کے کمرے بن جاتے۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی وفات کے بعد جہاں ان کا مزار بنایا گیا وہ ایک بہت بڑا میدان تھا۔ ہم بچپن میں جب حضرت کے ہاں جاتے تو ان کے نواسوں کے ساتھ مل کر اس میدان میں کھیلا کرتے تھے۔ یہ میدان خالی پڑا تھا۔ حضرت والد صاحب نے یہ خواہش ظاہر کی کہ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ اتنی بڑی شخصیت تھے حکومت نے ان کے لئے کوئی یادگار قائم نہ کی، ہم کوشش کر کے وہ میدان حاصل کر لیں اور اس میں علامہ عثمانی کی یادگار کے طور پر بڑا دارالعلوم قائم کریں۔ اس مقصد کے لئے والد صاحب نے کوشش کی اور بالآخر یہ میدان مل گیا۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں آج اسلامیہ کالج (کراچی) بنایا ہوا ہے۔ وہاں دارالعلوم کے لئے نقشہ منظور کرایا گیا۔ اسی میدان کے اندر علامہ عثمانی رحمہ اللہ کی اہلیہ اور ان کے دو بھائیوں کے لئے چھ چھ سو گز کے پلاٹ مالکانہ حقوق کے ساتھ منظور کرائے گئے۔ یہ سب کچھ مشوروں سے ہوا۔ علامہ شبیر احمد عثمانی کے بھائی بھی اس مشورہ میں شریک تھے۔

والد صاحب رحمہ اللہ نے اس مدرسہ کا سنگ بنیاد رکھنے کے لئے تین روزہ

کانفرنس اس میدان میں منعقد کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس میں مشرقی ومغربی پاکستان اور ہندوستان کے بڑے بڑے علماء اور اکابر کو دعوت دی گئی۔ دار العلوم کے طلبہ اور اساتذہ نے اس میدان میں اپنا کیمپ ڈالا ہوا تھا اور دن رات ہم اس کی تیاریوں میں لگے ہوئے تھے۔

بالآخر کانفرنس شروع ہوگئی۔ بنیادیں بھی کھد گئیں۔ ان میں روڑی بھی ڈال دی گئی اور بزرگوں نے اپنے ہاتھوں سے اس کا سنگ بنیاد بھی رکھ دیا۔ کانفرنس کے ایک روز اچانک یہ ہوا کہ ایک طرف کچھ لوگ جمع تھے۔ ان میں اخباری نمائندے بھی شامل تھے۔ وہ تصویریں اتار رہے تھے۔ پتہ کرنے پر معلوم ہوا کہ ایک سیاسی لیڈر علامہ عثمانی کی اہلیہ صاحبہ کو بہلا کر یہاں لے آیا، ان سے کہا کہ دیکھئے علامہ عثمانی کے نام پر انہوں نے اس میدان پر قبضہ کرلیا ہے۔ لہذا آپ اس کی مخالفت کیجئے۔ وہ اسی لئے آئی تھیں۔ اخبار میں اگلے دن یہ ساری تصویریں اور خبریں لگ گئیں۔

والد صاحب رحمہ اللہ کو اس کا بڑا غم ہوا۔ آپ علامہ عثمانی کی اہلیہ کے پاس تشریف لے گئے۔ میں بھی ساتھ تھا۔ والد صاحب نے اپنی ٹوپی ان کے قدموں میں ڈال دی۔ (علامہ عثمانی والد صاحب کے قریبی رشتہ دار بھی تھے، بزرگ بھی تھے اور استاذ بھی تھے) والد صاحب نے ان سے کہا کہ اگر آپ راضی نہیں ہونگی تو میں یہاں دار العلوم نہیں بناؤں گا۔ یہ شخص آپ کو بہکا رہا ہے۔ آپ اس کی باتوں میں نہ آئیں۔ علامہ عثمانی کے نام ہی پر تو یہ سارا دار العلوم قائم ہوا ہے۔ مگر وہ خاتون تھیں، عورت زاد تھیں۔ علامہ عثمانی اسی سیاسی لیڈر کے ہاں رہتے تھے۔ ان کی وفات کے بعد یہ بھی وہاں رہتی تھیں۔ یہ اس کے بہکاوے میں آچکی تھیں۔ والد صاحب کے سمجھانے کے باوجود ان کی سمجھ میں نہ آیا اور انہوں نے والد صاحب کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ اسی حال میں تین دن گزر گئے۔ تیسرے روز والد صاحب نے اس جلسہ میں اعلان کیا کہ جب تک علامہ عثمانی کی اہلیہ صاحبہ راضی نہیں ہوں گی، میں یہاں دار العلوم نہیں

بناؤں گا۔

دارالعلوم کے تمام اساتذہ وطلبہ اور دور دراز سے آنے والے اکابر اور علماء حیرت میں پڑ گئے۔ جن طلبہ اور اساتذہ نے دن رات لگ کر اس انتظام کو سنبھالا تھا وہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ لوگوں نے بہت اصرار کیا لیکن آپ نے انکار فرمایا۔ اس زمانے میں کراچی کا چیف کمشنر ابو طالب نقوی تھا۔ یہ شیعہ تھا۔ یہ بڑا مضبوط اور سخت گیر شخص تھا۔ اس نے اپنے ہاتھ سے ایک خط والد صاحب کی طرف لکھ کر بھیجا کہ مجھے پتہ چلا ہے کہ کچھ لوگ آپ کی مخالفت کر رہے ہیں۔ قانون کی پوری طاقت آپ کے ساتھ ہے کیونکہ آپ نے زمین کا باقاعدہ الاٹمنٹ کرایا ہے اور اس کے نقشے پاس کرائے ہیں، آپ تعمیر کرائیں کوئی طاقت آپ کو روک نہیں سکتی۔ والد صاحب اس کے باوجود بھی دارالعلوم کی تعمیر پر آمادہ نہ ہوئے اور وجہ یہ بتلائی کہ دارالعلوم بنانا فرض عین نہیں ہے جبکہ مسلمانوں کو خلفشار سے بچانا فرض عین ہے۔ علامہ عثمانی کی اہلیہ صاحبہ اگر مطمئن نہیں ہونگی تو کچھ لوگ میرا ساتھ دیں گے اور کچھ لوگ ان کا ساتھ دیں گے جس سے مسلمانوں میں خلفشار پیدا ہوگا۔ میں امت کو خلفشار میں نہیں ڈالنا چاہتا۔

ایک دو مہینے گزرے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ زمین دارالعلوم کے لئے دے دی، جنوبی افریقہ کا ایک تاجر اس پوری زمین کا مالک تھا۔ یہ پورا علاقہ ریگستان تھا۔ یہاں سے سات میل دور تک زندگی کے کوئی آثار نہیں تھے۔ نہ کوئی سڑک تھی، نہ آبادی، نہ بجلی، نہ پانی، نہ گیس اور نہ کوئی سہولت۔ یہاں سے کلفٹن تک درمیان میں کوئی آڑ نہیں تھی، صرف ریت کے ٹیلے تھے۔

والد صاحب رحمہ اللہ کو تردد ہوا کہ اگر اس ریگستان میں جا کر میں طلبہ کو ڈال دوں تو یہ زندہ کیسے رہیں گے مگر احباب نے کہا کہ آپ زمین قبول فرمالیں، تعمیر ہم کرائیں گے، جب تعمیر ہو جائے گی تو پھر آپ منتقل ہو جائیں۔ والد صاحب آمادہ ہو گئے۔" (اصلاحی تقریریں ج: ۴ ص: ۱۷۶ تا ۱۸۱)

اس کے علاوہ آپ کے ذاتی معاملات میں نہ جانے کتنے لوگوں نے آپ کو دھوکے دیئے، کتنوں نے آپ پر مقدمات قائم کرنا چاہے، کتنوں نے بدنام کرنے کے لئے اخبار واشتہار کا سہارا لیا لیکن آپ نے ان تمام باتوں کا وہ جواب نہیں دیا جو آج کی دنیا دیتی ہے بلکہ اکثر اپنا حق چھوڑ کر الگ ہو گئے۔

علمی اختلاف ہو یا دوسرے مکاتب فکر سے بحث ومباحثہ آپ اسے نزاع و جدال کی حد تک پہنچانے سے حتی الوسع روکتے تھے اور کسی بزرگ (شاید امام زہری رحمہ اللہ) کا یہ مقولہ سنایا کرتے تھے: اَلْمِرَاءُ یَذْھَبُ بِنُوْرِ الْعِلْمِ یعنی جھگڑوں سے علم کا نور جاتا رہتا ہے۔ (میرے والد میرے شیخ اور ان کا مزاج ومذاق ص: ۱۶۳، ۱۶۴)

(۲) آپ کی سب سے بڑی صاحبزادی تحریر فرماتی ہیں:

آپ کو لڑائی جھگڑے سے شدید نفرت تھی جھگڑے کی بنیاد کو رفع کرنے کے لئے آپ بخوشی اپنے حق کو چھوڑنے پر راضی ہو جاتے تھے۔ آپ کی حیاتِ مبارکہ کے بے شمار واقعات اسی کی عکاسی کرتے ہیں۔ ایک واقعہ یاد آیا ایک مرتبہ جب دیوبند میں آپ نے اپنا ذاتی مکان تعمیر کرنے کی غرض سے کچھ زمین خریدی اور قیمت کی ادائیگی کے بعد جب تعمیر کا کام شروع فرمایا تو چند پڑوسی آگئے اور کہنے لگے کہ اس میں اتنی زمین ہماری ہے اس لئے کہ اس میں ہمارے پرنالے گرتے ہیں جب کہ سرکاری طور پر ان کو اس کا کوئی حق حاصل نہ تھا اور زمین مکمل طور پر والد ماجد کی ملکیت تھی لیکن آپ نے جھگڑے سے بچنے کے لئے اپنی ہی زمین کا وہ حصہ چھوڑ کر تعمیر شروع کرائی جس کی وجہ سے مکان میں خاصی تنگی محسوس ہونے لگی لیکن آپ نے جھگڑے کے مقابلے میں مکان کی تنگی کو برداشت کرنا پسند فرمایا۔ پھر کچھ دن بعد وہی لوگ دوبارہ آئے اور کہنے لگے کہ اگر آپ چاہیں تو یہ زمینیں خرید لیں اس موقع پر آپ نے قیمت ادا کر کے زمین کو واپس لیا اور مکان میں شامل فرمایا۔ (البلاغ مفتی اعظم نمبر ص: ۱۱۵۳)

حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ

قاری عبدالعزیز کہتے ہیں کہ جب مولانا مفتی محمود صوبہ سرحد کے وزیراعلیٰ تھے تو میں نے ان سے وقتِ ملاقات طے کیا اور طے شدہ وقت کے مطابق صبح نو بجے ان کی جائے قیام پر پہنچ گیا اور چٹ لکھ کر اپنی آمد کی اطلاع بھجوائی لیکن ہوا یہ کہ دوپہر ہوئی، پھر شام ہوئی، پھر رات چھا گئی لیکن بلاوا نہ آیا ادھر میرا غصہ بھی طوفان بن رہا تھا کہ دامن خود چاک یا دامن یزدان چاک۔ آخر میں زبردستی آدمیوں کو پیچھے دھکیلتا ہوا اندر چلا گیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ کاغذوں اور فائلوں کے درمیان مصروف ہیں آنکھیں سرخ ہو رہی ہیں اا ور چہرے پر تھکاوٹ کے آثار ہیں۔ مفتی صاحب کی مجھ پر نظر پڑی تو فرمایا آیئے جلالی صاحب کیسے آئے؟ میں یہ سن کر آتش فشاں بن گیا آپ نے مجھے نو بجے کا وقت دیا اور رات کا ایک بج رہا ہے اور آپ کہتے ہیں کیسے آئے۔ میں نے خوب شور مچایا اور پھر باہر نکل آیا۔ لوگوں نے مجھے گھیر لیا سرکاری ملازم میری طرف بڑھنے لگے تو اچانک میں نے ایک ہاتھ اپنے شانے پر محسوس کیا۔ یہ ہاتھ مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ تعالیٰ کا تھا وہ کہہ رہے تھے کہ صرف سنانا ہی مردانگی نہیں، سنا کر سننا بھی مردانگی ہے۔ وہ مجھے دوبارہ کمرے میں لے گئے۔ معلوم ہوا کہ مفتی صاحب کو میری آمد کی اطلاع ہی نہ دی گئی جو میں چٹ میں لکھ کر بھیجتا وہ ان تک ہی نہ پہنچتی جس پر مفتی صاحب نے اس ملازم کو بلوا کر ڈانٹ پلائی بلکہ اگلے روز اس کی ڈیوٹی بھی تبدیل کر دی۔ مجھے اچھی طرح مطمئن کرنے کے بعد انہوں نے اپنی بات کہی کہ قاری صاحب یہ دنیا کیا ہے کچھ بھی نہیں لوگ پاگلوں کی طرح اس کے پیچھے بھاگتے ہیں۔ جب کوئی مولوی میرے پاس دنیاوی کام لے کر آتا ہے تو میرا جی چاہتا ہے کہ اسے گولی ماردوں یہ دنیا کی لعنت دنیا والوں کے پاس ہی رہنے دیں اچھا ہے لیکن جب کوئی میرے پاس لوگوں کے مسائل لے کر آئے تو مجھے خوشی ہوتی ہے آپ اپنے علاقے کے مسائل لے کر آئے ہیں تو سنایئے میں سنوں گا۔ میں نے کہا اب وقت نہیں صبح بات کرلیں گے لیکن

ان کا کہنا تھا کہ قیامت سے ڈرتا ہوں صبح تک زندگی کا کیا پتا۔ یہ کہہ کر انہوں نے میری بات سنی اور پھر احکامات جاری کیے۔ (بیس مردان حق ج:۲ ص:۴۹۵)

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ
سابق مہتمم دیوبند

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

انسان کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے خلاف سننے کی صلاحیت رکھتا ہو اور سخت سے سخت بات برداشت کرے۔ راقم نے قاری صاحب کو اس معاملہ میں بہت عالی ظرف اور قوی الارادہ پایا۔ واقفیت رکھنے والے پورے حلقہ میں یہ بات مسلمات میں سے ہے کہ قاری صاحب نہایت کریم النفس، بڑے شیریں اخلاق، نرم خو، نرم رو اور نرم گفتگو تھے۔ اقبال نے جو کہا ہے ؎

نرم دم گفتگو گرم دم جستجو

یہ تعریف قاری صاحب پر صادق آتی ہے۔

(پرانے چراغ ج:۳ ص:۱۴۲)

عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب عارفیؒ

حضرت اقدس مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں:

ایک قصہ ان کے صاحبزادے ڈاکٹر احسن صاحب نے سنایا کہ ہمارے رشتہ داروں میں دو آدمیوں میں جھگڑا تھا۔ انہوں نے حضرت ڈاکٹر صاحب سے کہا کہ آپ فیصلہ فرما دیں۔ آپ نے فیصلہ فرمایا وہ فیصلہ جس کے خلاف پڑا وہ آپ کا بہت مخالف

ہو گیا۔ اس نے آپ کی بے ادبی کی اور گستاخی کی اور بہت برا بھلا کہا۔ میں نے اس پر کہا میرا معمول یہ ہے کہ میں کبھی فیصلہ کرتا ہی نہیں۔ ایک بار جب میری عمر بیس سال تھی اس وقت میں نے اپنے رشتہ داروں کے درمیان ایک فیصلہ کیا تھا جس کے خلاف وہ فیصلہ گیا وہ میرا مخالف ہو گیا اور مجھے برا بھلا کہنے لگا اس وقت سے میں نے ہمیشہ کے لئے توبہ کر لی کہ آئندہ کبھی فیصلہ نہیں کروں گا۔ اس پر ان کے صاحبزادے نے بڑی عجیب بات بتائی کہ حضرت ڈاکٹر صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میں نے فیصلے کئے ہیں، فیصلہ کر رہا ہوں، کرتا رہوں گا۔ فیصلے کی وجہ سے کوئی میرا مخالف ہو کر مجھے برا بھلا کہے مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں۔ الحمد للہ پانچ منٹ کے اندر میرا دل صاف ہو جاتا ہے اور مجھے یاد بھی نہیں رہتا کہ کسی نے مجھے برا بھلا کہا تھا یا نہیں۔

کتنی بڑی ہمت کی بات ہے کہ کوئی معتقد یا مرید ہو، رشتہ دار ہو یا غیر ہو مگر فیصلہ عین شریعت کے مطابق فرماتے چاہے کوئی راضی رہے یا ناراض ہو جائے۔ اس پر حضرت ڈاکٹر صاحب کا سنایا ہوا ایک شعر یاد آگیا جو کئی بار حضرت سے سنا۔

دریائے فراواں نہ شود تیرہ بہ سنگ
عارف کہ برنجد تنگ آب است ہنوز

یعنی جس طرح دریا میں پتھر پھینکیں، غلاظتیں ڈالیں اس میں کوئی تغیر پیدا ہی نہیں ہوتا اسی طرح جو صحیح معنی میں عارف ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور محبت کا دریا ہوتا ہے اس کی تعریف کی جائے یا اس کو برا بھلا کہا جائے اس میں ذرا بھی تغیر نہیں ہوتا اور اس کو ان چیزوں کی کوئی پرواہ بھی نہیں ہوتی ہاں اگر پانی تھوڑا ہو اس میں پتھر ڈالیں تو پانی گدلا ہو جائے گا اسی طرح کوئی شخص اپنے کو عارف کہے اور اس میں کسی کی ذراسی بات سے تغیر پیدا ہو جائے، رنج پیدا ہو جائے وہ حقیقت میں عارف نہیں ہے۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ حقیقی معنی میں عارف تھے۔ لوگوں کے ناراض

ہونے اور برا بھلا کہنے سے ان پر کوئی اثر نہ ہوتا اسی لئے فرمایا کرتے تھے کہ جو دوست ناراض ہو جاتے ہیں اور برا بھلا کہنے لگتے ہیں ان کا اثر پانچ منٹ سے زیادہ نہیں رہتا پانچ منٹ کے بعد مجھے یاد بھی نہیں رہتا کہ کس نے مجھے کیا کہا تھا اور کیا نہیں کہا تھا۔

(البلاغ حضرت عارفی نمبر ص: ۳۳۳،۳۳۴)

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ

(۱) دشمن نوازی

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ تعالیٰ کو اللہ کے بندوں اور بنی آدم کی اولاد سے بے حد شفقت اور محبت کا تعلق تھا وہ اپنوں تو اپنوں اپنے دشمن سے بھی نفرت نہیں کرتے تھے۔ وہ دشمنوں کی دشمنی کو معیوب سمجھتے تھے مگر ان کے شخصی وجود سے انہیں کوئی عداوت نہیں تھی۔ حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ تعالیٰ اخلاص وفنائیت اور بے نفسی کے ایسے مقام پر پہنچ چکے تھے گویا کہ ان کے دل سے رنج وشکایت، انتقام کا جذبہ اور ایذاء کی صلاحیت ہی ختم ہو چکی تھی۔ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہزاروں تلامذہ اور شب وروز کے قریب رہنے والے خدام حتی کہ سیاسی اور ذاتی مخالفین تک کو اس بات کا اعتراف ہے کہ آپ نہ صرف آشنا پرور اور دوست نواز تھے بلکہ اکثر حالات میں دیکھا گیا ہے کہ آپ دوستوں سے زیادہ دشمنوں کے احسان مند، اپنوں سے زیادہ مخالفین کے ممنون وشکر گزار اور ان کے حق میں سراپا مجسمہ دعا بن جاتے تھے۔ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کی ایسی شفقتوں اور انسان دوستی کے ایسے حالات دیکھنے والوں کو تعجب ہوتا بلکہ بڑے بڑے اہل علم اور قومی رہنما دریائے حیرت میں ڈوب جاتے اور بعض تنگ ظرف گستاخی بھی کر ڈالتے کہ حضرت آپ کی ان دعاؤں نے تو مخالفین کو خودسر اور گستاخ بنا دیا ہے مگر حضرت کی ایک مسکراہٹ اہل بصیرت کے لئے علم وفضل اور حکمت وشریعت کے کتنے اسرار بیان کر دیتی۔ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس طرز عمل سے یوں محسوس ہوتا کہ لوگوں کی دشمنی گویا

حضرت رحمہ اللہ تعالی پر کوئی احسان ہے ان کے لئے کوئی نادر تحفہ یا زخم دل کا مرہم ہے جس پر بے اختیار دل سے دعائیں نکل رہی ہیں اور منہ سے پھول جھڑتے ہیں۔ ایسے موقعہ پر یوں محسوس ہوتا کہ حضرت کا رُواں رُواں یہ پکار رہا ہے۔

ہر کہ مارا رنج دادہ راحتش بسیار باد

(جو ہم کو رنج دے خدا اس کو بہت راحت پہنچائے۔)

دنیا کا عام قاعدہ اور مشہور اصول یہ ہے کہ نیکیوں کے ساتھ نیکی اور بدوں کے ساتھ بدی کی جائے لیکن حضرت کا طرز عمل اور تعلیم و تربیت بلکہ آخری وصیت بھی یہی تھی کہ جس طرح نیکی کا بدلہ نیکی سے دینا فطرت اور اخلاق کا تقاضا ہے اسی طرح بدی کا بدلہ بھی نیکی سے دینا مفید اخلاق اور مردانِ خدا کا ہمیشہ کا اصول و معمول ہے۔ عام لوگوں کا اصول یہ ہے کہ سیدھوں کے ساتھ سیدھا اور ٹیڑھوں کے ساتھ ٹیڑھا رہنا چاہئے لیکن صالحین امت سیدھے کے ساتھ سیدھا اور ٹیڑھوں کے ساتھ بھی سیدھا رہنے کی تاکید کرتے آئے ہیں اور حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ تعالی کا طرز عمل اس کا عملی نمونہ تھا۔ (ماہنامہ الحق حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق نمبر ص:۱۰۳)

(۲) شرافت مزاج

حضرت رحمہ اللہ تعالی کے خادم خاص حضرت مولانا عبدالقیوم صاحب حقانی زید مجدہ تحریر فرماتے ہیں:

ہمارے حضرت رحمہ اللہ کا پانچواں اہم اور امتیازی وصف شرافت مزاج تھا نظریات کے اختلاف کو ہنسی خوشی برداشت کر لیتے۔ تنقید کا تحمل، گستاخی، جاہلانہ اور عامیانہ طرز گفتگو کے بعض (حاضرین کی حد تک) ناقابل برداشت مواقع پر بھی چہرہ پر ناگواری یا غیض وغضب کے آثار نہیں دیکھے گئے۔ دل میں اپنے حریف یا مقابل کیمپ والے کی طرف سے ذرا بھی میل نہیں لائے۔ وسعت ظرف اور نیک نیتی ان کی فطرت

تھی اور سارے اعمال اس کے مظاہر تھے بلکہ بارہا دیکھا گیا کہ اپنے معاند یا سب وشتم کرنے والوں کا تذکرہ سننا بھی گوارا نہ کیا اور نہ ان کے سب وشتم سے دل کی تنگی کا اظہار کیا بلکہ موقع پانے پر اپنے مخالفین اور بدترین مخالفین کے ساتھ ہمدردی، مروت، رواداری، احسان اور درگذر کا سلسلہ جاری رکھتے تھے۔

احقر راقم الحروف کو دس سال حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کو بہت قریب سے دیکھنے کا اتفاق ہوا اور پھر خاص کر تحریک نفاذ شریعت کے ایام میں جب حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے نفاذ شریعت بل کے لئے ملک بھر کا دورہ کیا بیماری اور ضعف وعلالت کے باوصف حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے ضروری جانا حالانکہ سیاسی فضا انتہائی مکدر تھی اغیار سے تو خیر کوئی گلہ نہیں بعض اپنوں نے بھی نگاہیں پھیر لی تھیں اور بعض اوقات گستاخی پر بھی اتر آتے تھے مگر حضرت نے جس عالی ظرفی اور برداشت کا مظاہرہ کیا وہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ اِنَّ ذٰلِکَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ.

مگر حضرت کی بصیرت کی داد دیجئے کہ جب بے نظیر صاحبہ نے وزارت عظمیٰ کے آخری ایام میں بغیر پیپلز پارٹی کے ملک بھر کی تمام سیاسی اور مذہبی جماعتیں شریعت بل کی چھتری تلے پناہ لینے پر مجبور ہوگئیں تو اس وقت ہمارا یقین اور بھی مضبوط ہوگیا کہ اللہ والے جو قدم اٹھاتے ہیں وہ درست اور بصیرت پر مبنی ہوتا ہے۔ (ایضاً ص: ۱۰۸)

(۳) پیکر حلم وتواضع

حضرت مولانا الطاف الرحمٰن بنوی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ کے یہ تلمیذ رشید اپنے استاذ کی طرح کسی کو بھی اپنے سے حقیر وکمتر سمجھنے اور قرار دینے کے روادار نہ تھے۔ یہی وجہ تھی کہ نہ صرف تنقید سننے کا تحمل تھا بلکہ بڑی آمادگی کے ساتھ اس کو ہضم کرنے کا حوصلہ بھی تھا۔ کیا حقیقی تواضع کے بغیر عملاً اس رویے کو اپنانا آسان ہے؟

دارالعلوم حقانیہ (اکوڑہ خٹک) کے زمانہ طالب علمی میں غیر حاضری یا کسی دوسری قانونی خلاف ورزی پر میرا کئی روز کا کھانا بند کر دیا گیا تھا۔ اس وقت مدارس کے مہتممین اور ناظمین کے بارے میں میرا رویہ خاصہ جارحانہ ہوا کرتا تھا۔ کسی بھی جرم کی پاداش سے گلو خلاصی کے لئے عذر ومعذرت کی بجائے مدرسہ کے ذمہ داروں کی خلاف ورزیوں کا ڈھول پیٹنا میرا سب سے بڑا کمال تھا۔ مولانا اللہ نور صاحب افغانی مدظلہ میرے رفیق درس تھے۔ طالب علمی ہی سے بہت سلجھے ہوئے اور حوصلہ مند شخصیت کے مالک تھے۔ عمر، عقل اور قابلیت ہر لحاظ سے مجھ سے بڑے اور فائق تھے اور پھر اس پر مستزاد یہ کہ میں اپنے بارے میں ان کی خصوصی خیر خواہی اور ہمدردی سے کافی متاثر تھا۔ غالباً انہوں نے مدرسے کی زیادتی اور اپنی بے گناہی کے موضوع پر میری یاوہ گوئی سنی ہوگی چنانچہ وہ مجھے اس نصیحت وتلقین کے ساتھ دفتر اہتمام میں مولانا کے پاس لے گئے کہ تم بالکل خاموش رہو گے میں ہی صلح صفائی سے تمہارا کھانا واگذار کراؤں گا۔ پوری تفصیلات تو یاد نہیں لیکن شاید میری طرف سے مولانا اللہ نور صاحب کے اعتذار پر مولانا مرحوم نے ضعف عذر کی طرف اشارہ فرمایا تو گویا میرے غیض وغضب کے بارود خانے کو شتابہ دکھایا چنانچہ چشم زدن میں بے ادبی کا وہ دھماکہ ہوا جس نے خاموشی کے وعدے، مولانا مرحوم جیسے فرشتہ خصلت عالم اور دارالعلوم جیسے مؤقر دینی ادارے کے احترام وتقدس جیسی قیمتی قدروں کو بھک سے اڑا دیا۔ مولانا اللہ نور صاحب منہ پر ہاتھ رکھ کر خاموش ہو جانے کا بار بار اشارہ فرماتے لیکن میں کسی سکتے اور وقفے کے بغیر اپنی جوابی تقریر بلکہ حملہ جاری رکھے ہوئے تھا اور مصلحت یا مروت کی جملہ نئی و پرانی قانونی استثناءات کی نشاندہی کرتے ہوئے ان میں سے ایک ایک کو دفتر والوں کی گردن زدنی کی وجہ وجوب بنا بنا کر پیش کر رہا تھا لیکن داد دیجئے اس منکسر المزاج درویش منش اور داخلے واخراج اور سزا ومعافی کے بارے میں کسی بھی بندے کے سامنے غیر مسؤول اس مہتمم کے حیران کن ثبات واستقامت کی کہ اس پورے طوفان وطغیان کے دوران سوائے میرے منہ کے تکتے رہنے کے ان کے حال یا قال سے کوئی برہمی یا بے زاری

نہیں ہوئی بلکہ کھانے کی واگذاری کے ساتھ ہم دونوں کو رخصت کیا۔

پروردگار تو ہی ستار و غفار ہے ہم قول و فعل کی ایسی تمام بے ہودگیوں پر سخت شرمندہ و شرمسار ہیں۔ مولائے کریم ماضی کے ہر گناہ کی مغفرت فرما اور مستقبل کے ہر گناہ سے محفوظ فرما۔ (ایضاً ص: ۲۰۳، ۲۰۴)

حضرت اقدس مولانا محمد منظور نعمانیؒ

(۱) مولانا محمد حسان نعمانی صاحب زید مجدہ تحریر فرماتے ہیں:

اپنے بڑے سے بڑے مخالف کے لئے بھی میرے والد علیہ الرحمۃ کے دل میں نفرت کی کوئی جگہ نہیں تھی۔ اگر کسی ذاتی معاملہ میں کسی کا رویہ ان کے لئے تکلیف دہ ہوتا تو اس کا تو جواب دینا بھی مناسب نہیں سمجھتے تھے۔ اس کو معاف کر دیتے اور اس کے لئے دعا کرتے البتہ اگر مخالفت کسی دینی امر کی ہوتی تو اس بات کی وضاحت کرنا اور حق کو آشکارا کرنا ضروری سمجھتے تھے لیکن اس سلسلہ میں اس کے نازیبا رویہ کی کوئی شکایت نہ کرتے۔ خاص طور پر قضیہ دار العلوم دیوبند کے دوران ان کے خلاف کیا کچھ نہیں لکھا گیا اور لکھنے والے بھی ان کے اپنے حلقہ ہی کے تھے۔ ان میں سے ایک ہمارے جمیل بھائی مرحوم (ایڈیٹر روزنامہ ''عزائم'' لکھنو) تھے۔ میرے والد علیہ الرحمۃ ان کو اپنی اولاد کی طرح سمجھتے تھے۔ وہ بھی ابا جان کی اسی طرح عزت کرتے تھے اور ابا جی ہی کہا کرتے تھے لیکن قضیہ دار العلوم کے مسئلے میں انہوں نے پچاس سے زیادہ قسطیں اس بابت ابی کے خلاف عزائم کے اداراتی کالم میں لکھ ڈالیں اور ان میں نفس مسئلہ پر بحث کم اور ذاتیات پر زیادہ تھی اور سارا زور قلم شخصیت کو مجروح کرنے پر صرف کیا گیا تھا۔ ابا جان علیہ الرحمۃ ان دنوں خاص طور پر عزائم کا پابندی سے مطالعہ کرتے۔ اگر کسی دن اخبار نہ آتا تو ہم لوگوں کو بھیج کر منگاتے اور ان کے اداریئے پر کسی قسم کے تبصرے سے ہمیشہ گریز کیا۔

ابا جان کے ساتھ جمیل بھائی کے مذکورہ رویہ کے باوجود جب وہ بہت زیادہ بیمار ہوکر شہر کے بلرامپور اسپتال میں داخل ہوئے تو ابی کی پریشانی دیکھنے کے قابل تھی۔ ابی کی طبیعت بھی ان دنوں کافی خراب تھی لیکن جیسے ہی جمیل بھائی مرحوم کے بارے میں معلوم ہوا ان کی مزاج پرسی کے لئے پہلے تو مجھے بھیجا اور پھر اگلے روز مجھے ساتھ لے کر خود بھی اسپتال تشریف لے گئے۔ جمیل بھائی کا عجیب حال ہوا وہ اپنی آنکھوں میں آنسو لئے ابی کو صرف دیکھتے رہے۔ بہت زیادہ بولنے والا وہ شخص اس وقت ایک لفظ بھی نہ بول سکا صرف نم آنکھوں سے اپنے طرز عمل کی معذرت ہی کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ جمیل بھائی کی مغفرت فرمائے۔ یہی مرض ان کا مرض الوفات ثابت ہوا۔

(ماہنامہ الفرقان بانی الفرقان نمبر ص:۳۶۰)

(۲) حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا عتیق الرحمٰن صاحب سنبھلی زید مجدہ تحریر فرماتے ہیں:

اسے دعا وطلب کی عند اللہ قبولیت کہیں یا اس میں ان کی صداقت کا ایک نشان کہ مزاج میں حدت اور غصہ ہونے کے باوجود اپنے بارے میں تنقید وتنقیص پر برہم ہوتے ہوئے انہیں کبھی نہیں دیکھا۔ بعض موقعوں کی باتیں اس وقت یاد آرہی ہیں۔

۵۷،۵۶ جب جماعت اسلامی پاکستان اپنے ایک سخت بحرانی دور سے گزری اور بہت سے لوگ اس وقت اس سے الگ ہوئے تو الگ ہونے والے ممبران شوری میں سے حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب (لائکپور حال فیصل آباد) نے ان اختلافات کے سلسلے میں مودودی صاحب کے بعض افکار پر اپنے ایک رسالے ''المنبر'' میں اپنی رائے اور اپنے تأثرات کے اظہار کا ایک سلسلہ شروع کیا۔ اس سلسلہ مضامین میں سے ایک مضمون پر اس راقم الحروف کی نظر رک گئی اور اس میں مودودی صاحب کے جس نظریہ پر کلام تھا، راقم نے اسے الفرقان میں موضوع گفتگو بنا لیا عنوان تھا دین میں حکمت عملی کا مقام۔ یہ ۱۹۵۸ء کی بات ہے اور کوئی چار قسطوں میں یہ مضمون پورا ہوا۔

مودودی صاحب نے اس کا براہ راست تو نہیں لیکن بالواسطہ اس طرح جواب دیا کہ اپنے ماہنامہ ترجمان القرآن میں اس مضمون کی بابت ایک جواب طلب مراسلہ شائع کر کے اپنے مراسلہ نگار کو مخاطب بنایا۔ اس جواب کا پہلا پیراگراف جو الفرقان کے مضمون نگار کی نیت میں خرابی کے بیان پر مشتمل ہے، اس کے الفاظ بالکل صاف اور بدیہی طور پر بتا رہے تھے کہ یہ جواب راقم الحروف کی بجائے اس کے والد ماجد کو الفرقان کا مضمون نگار قرار دے کر لکھا گیا ہے چنانچہ اس میں کہا گیا تھا کہ:

اصل بنائے بحث بجائے خود یہ مسائل نہیں ہیں بلکہ دل کا ایک پرانا بخار ہے جو مدتوں سے موقع کی تلاش میں دبا پڑا تھا اور اب اس کو نکالنے کے لئے کچھ مسائل بطور حیلہ ڈھونڈ لیے ہیں۔

ظاہر ہے کہ یہ الفاظ راقم الحروف پر صادق آنے کا تو کوئی امکان نہیں تھا اس کا تو مولانا سے کبھی کوئی ایسا واسطہ نہیں رہا تھا کہ بخار وغبار پیدا ہوا ہوتا اور وہ دبا پڑا ہوتا ہاں والد ماجد کا ضرور ان سے ایسا واسطہ رہا تھا جو ان کے بارے میں اس طرح کا گمان مولانا کے دل میں گذر سکے۔ پھر یہ پیراگراف جن الفاظ پر ختم ہوتا تھا وہ تو گویا بول رہے ہیں کہ نشانے پر والد ماجد ہی کی ذات ہے اور وہ الفاظ یہ تھے:

اگر خدا کا خوف اور ایک ایک لفظ پر اس کے حضور باز پرس کا خطرہ نہ ہوتا تو میں بطور نمونہ بتاتا کہ...... آدمی تقوے اور خشیت کا لباس زور (یعنی بناوٹی لباس) پہن کر کیسی کچھ باتیں خود ان لوگوں کے خلاف بنا سکتا ہے۔

جن حضرات نے جماعت اسلامی اور مودودی صاحب کے تعلق سے والد مرحوم کی سرگزشت پڑھی ہوگی انہیں تو تفصیل کے ساتھ معلوم ہوگا کہ مودودی صاحب اور جماعت سے علیحدگی کی بنیاد مودودی صاحب میں اس صفت تقوی ہی کا مسئلہ تھا جو ایک اسلامی امیر میں ہونی چاہیے بس یہ الفاظ کہ "آدمی تقوی اور خشیت کا لباس زور

(بناوٹی لباس ولبادہ) پہن کر' ایک کھلی چوٹ تھے اور اس طرح مودودی صاحب نے خود اپنے الفاظ میں اپنے ہی دل کا ایک پرانا بخار اس موقع پر نکال لیا تھا اور اس راقم کو اس سے اگرچہ اس لئے بہت تکلیف ہوئی کہ اس کی خطا میں مرحوم نے اس کے والد کو پکڑ لیا تھا مگر والد مرحوم میں (اللہ ان کو رحمتوں سے نوازے) کوئی علامت ایسی نہیں پائی جاتی جس سے ظاہر ہو کہ انھوں نے بھی اس چوٹ کا کوئی اثر لیا ہے بلکہ عمر بھر کبھی بھی ان سے کوئی سخت لفظ مودودی صاحب کے بارے میں نہیں سنا گیا۔

(۳) اور اس سے چھ سال پہلے اسی طرح کا وہ واقعہ ہے کہ جماعت اسلامی کے خلاف ایک سخت فضا ملک میں پیدا ہوئی۔ اس میں اکابر دیوبند کے فتوے وغیرہ بھی تھے۔ والد ماجد نے اس موقع پر ایک مفصل مضمون جماعت اسلامی اور اس کے خلاف فتوے کے عنوان سے ''الفرقان'' میں لکھا جس کا اصل مقصد تو فتووں سے اختلاف تھا مگر ساتھ ہی جماعت کے اندر جو واقعی قابل اصلاح باتیں خود والد ماجد کی نظر میں تھیں ان کی بھی نشاندہی کی گئی تھی۔ اس پر نہایت تند وتیز جواب مولانا امین احسن اصلاحی موحوم کے قلم سے آیا کیا تندی وتیزی تھی کہ بس اللہ دے اور بندہ لے کہیئے میری غلطیاں کے عنوان سے ایک مختصر مضمون والد ماجد نے اس پر لکھا ایک لفظ کسی تلخی وبرہمی کا نہیں تھا البتہ رنج وملال کا اظہار تھا کہ ان کو کس قدر غلط سمجھا گیا اور آخر میں یہ کہ دراصل غلطی میری ہی تھی کہ میں نے اپنے اور اکابر جماعت کے درمیان وہ باہمی اعتماد اور حسن ظن فرض کر لیا جس کی موجودگی میں ایک دوسرے کی غلطیوں کی نشاندہی میں حرج نہیں ہوتا نتیجہ یہ ہوا کہ مولانا اصلاحی اسی جگہ واپس آ گئے جس جگہ ان کو پہلے فرض کیا گیا تھا مگر غلط ثابت ہوا تھا۔ (ایضاً ص: ۲۸۱)

(۴) ان کی خواہش اور فرمائش پر لکھی ہوئی کتاب واقعہ کربلا پر ایک بڑا مخالفانہ اور معاندانہ تبصرہ پاکستان کے ایک ماہنامے میں آیا۔ یہ بہت مفصل تھا اور لکھنے والے صاحب اچھے پڑھے لکھے معلوم ہوتے تھے مگر ان کے جذبات کی معاندانہ کیفیت نے ایسی رکاکت اور تہذیبی گراوٹ ان کے قلم پر طاری کر دی تھی کہ پڑھتے ہوئے گھن آئے۔ راقم کے بارے میں تو جو کچھ رکاکت تھی وہ تھی خود والد ماجد کے بارے میں

اس کی سطح یہ تھی کہ ان کے جو چند صفحات افتتاحیہ کے طور پر کتاب میں شامل ہوئے تھے ان صفحات میں حادثہ کربلا سے متعلق اپنے گھر اور شہر کا ماحول بتاتے ہوئے جس میں بچپن گزرا تھا ایک جملہ یہ لکھا کہ مجھے چھ سات سال کی عمر میں پورا شعور آ گیا تھا مجلسوں میں (عشرے کی مجلسوں میں) جو کچھ سنتا تھا۔ اسے سمجھتا تھا تبصرہ نگار کو اس بیان میں شاید کچھ مبالغہ نظر آیا تو اپنے شک وشبہ کے اظہار کے لئے جو پیرایہ بیان انہیں پسند آیا وہ یہ تھا کہ اس عمر میں تو ہمارے بچے ننگے پھرا کرتے ہیں۔

راقم الحروف ان دنوں لندن میں تھا اور ایک دوست کو یہ تبصرہ کہیں سے پہنچ گیا تھا جو انہوں نے مجھ کو بھیج دیا تھا۔ اس کو پڑھ کر جو تأثر ہونا چاہئے تھا وہ ظاہر تھا مگر والد ماجد کا خط پہنچتا ہے جس میں اس تبصرے کو اس کی رکاکت کی طرف اشارے کے باوجود دوسرے مخالفانہ تبصروں کے مقابلے میں اس لئے قابل لحاظ قرار دیا گیا تھا کہ اس میں محض ہوائی باتیں نہیں بلکہ بعض متعین گرفتیں تھیں اگرچہ وہ تھیں سب جذباتیت کا نتیجہ اور اس لئے مجھے مشورہ دیا گیا تھا کہ آئندہ ایڈیشن میں بعض تعبیرات میں تبدیلی مناسب سمجھو تو کر دینا چاہئے تاکہ تمہارا مدعا زیادہ واضح ہو جائے۔

راقم الحروف ایسے معاملات میں اپنے والد ماجد کی بڑائی سے پوری طرح واقف تھا اور اس معاملے میں ان کو اپنے اکابر کے قدم بقدم پایا تھا مگر اتنی بڑائی سے کبھی واقفیت کا موقع پہلے نہ ملا تھا وہ ایک نوعمر آدمی کی تحریر میں اپنی ایسی توہین وتکذیب دیکھتے ہوئے بھی جسے میں شاید ہمیشہ ناقابل معافی پاتا رہوں ''قابل لحاظ'' کا لفظ اس کے لئے استعمال فرما رہے تھے اور جن اعتراضات کو بدنیتی پر اگر نہیں تو بدفہمی پر محمول کئے بغیر نہیں رہا جا سکتا تھا ان کے بارے میں وہ توجہ دلانا مناسب خیال فرما رہے تھے کہ آئندہ ایڈیشن میں تعبیر کی مناسب تبدیلی سے اپنا مدعا اور مافی الضمیر زیادہ واضح کر دیا جائے یعنی اس درجے کے کم فہموں کی رعایت میں جو کمی رہ گئی ہے اسے دور کر دیا جائے۔ (ایضاً ص: ۲۸۲، ۲۸۳)

مفتی اعظم ہند مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ

(۱) میں تو گالی والی زبان سے محروم ہوں

ارشاد فرمایا کہ میں ایک جگہ تقریر کر رہا تھا۔ ایک صاحب نے جو اپنے ہی تھے پرچہ دیا جس میں لکھا تھا کہ جب یہ مدمقابل کے لوگ گالی دے رہے ہیں تو آپ گالی کیوں نہیں دیتے؟ کیا آپ کے منہ میں زبان نہیں؟ میں نے کہا ہاں بھائی میرے منہ میں زبان نہیں۔ زبان حق تعالیٰ شانہ کی نعمت ہے اس کا حق یہ ہے کہ اس کو اچھے کاموں میں مشغول رکھا جائے۔ ذکر کریں، تلاوت کریں، وعظ کہیں غلط جگہ اس کو استعمال کرنا ناشکری ہے اس لئے میں تو گالی والی زبان سے محروم ہوں۔ بتایئے اگر کسی شخص کے پاس طرح طرح کے عطر ہوں، خوشبوئیں ہوں اور کوئی آکر اس سے کہے کہ آپ کے پاس گوبر تو ہے ہی نہیں تو وہ کہنے والا ہے نا بے وقوف بریلی پاگل خانہ میں بھیجنے کے لائق۔ اسی طرح زبان کو سمجھ لو۔ (ملفوظات فقیہ الامت ج:۲ قسط:۷ ص:۱۱۲)

(۲) طلاق مغلظہ کے فتویٰ پر غصہ سے بھرا ہوا خط آیا

ارشاد فرمایا کہ ایک مرتبہ ایک عورت کا خط آیا۔ اس نے لکھا کہ ہماری شادی ایک صاحب سے ہوئی، بہت اچھی طرح سے مل جل کر پیار و محبت سے رہنے لگے ان کی ہر خواہش کو ہم نے پورا کیا، اچھے سے اچھا پکا کر کھلایا، اچھے نے اچھا سی کر پہنایا۔ ایک غلطی ہم سے ہوگئی اس غلطی کی بناء پر جوش میں آکر شوہر نے ہم کو تین طلاقیں دے دیں اب کیا حکم ہے؟ جواب دیا کہ طلاق مغلظہ ہوگی اب اس کے پاس رہنا جائز نہیں بغیر حلالہ کے۔ حلالہ کی بھی صورت بتادی۔ اس کے بعد اس عورت کا غصہ سے بھرا ہوا خط آیا کہ اسلام کا یہ کون سا طریقہ ہے کہ حماقت کرے ہمارا شوہر اور بھگتیں ہم۔ ہمیں یہ حکم کیوں دیا جاتا ہے ہم غیر آدمی کا منہ دیکھیں؟ میں نے جواب میں لکھا کہ آپ کو غصہ آگیا بات کے صحیح نہ سمجھنے سے غصہ آیا ہے اور جو کچھ آپ نے سمجھا وہ ہے ہی غصہ کی بات۔ کسی شریف خاتون سے کہا جائے کہ غیر آدمی کا منہ دیکھو تو اس کو غصہ آنا ہی چاہئے مگر ہم نے یہ نہیں لکھا کہ غیر آدمی کا منہ دیکھیں۔ ہم نے تو یہ لکھا ہے کہ جس شخص نے تین طلاقیں دی

ہیں وہ غیر ہو گیا اور غیر آدمی کا منہ دیکھنا درست نہیں۔ ہم نے منع کیا ہے غیر آدمی کا منہ دیکھنے سے اور جس کو آپ غیر آدمی کہہ رہے ہیں وہ ابھی تک غیر ہے صحیح ہے لیکن جب ایجاب و قبول ہو جائے گا تو غیر نہیں رہے گا آپ کا اپنا شوہر بن جائے گا آپ اس کو اپنا بنا کر دیکھیں غیر رکھ کر نہیں۔ اس کے باوجود آپ کو شریعت مجبور نہیں کرتی کہ آپ نکاح ثانی کریں۔ عصمت کے ساتھ آپ بغیر شوہر کے گذارا کر سکتی ہوں تو آپ کو اختیار ہے مگر اندازہ یہ ہے کہ آپ کے جذبات کو تسکین نہیں ہو گی بغیر اس نالائق کمینہ آدمی کے پاس جائے ہوئے جس نے آپ کی ذرا سی غلطی پر ساری عمر کی وفاداری کو ختم کر ڈالا۔ کیا وہ اس قابل ہے کہ آپ اس کے پاس اور اس کے گھر جائیں۔ ساری عمر میں اس کا خیال بھی نہیں کرنا چاہئے اور اگر اس کے پاس جائے بغیر آپ کے جذبات کو تسکین نہیں ہوتی تو شریعت نے آپ کو راستہ بتا دیا کہ آپ ذرا ادھر کو ہو کر جائیے گا راستہ یہ ہے۔ اس کے بعد پھر اس کا کوئی خط نہیں آیا۔ (ایضاً قسط:۸ ص:۸۷،۸۹)

(۳) گستاخی کرنے والے پر عنایت

عرض: کسی نے کوئی بات غلط آپ کی طرف نسبت کرتے ہوئے کہہ دی اس پر میں نے حضرت کے متعلق کوئی گستاخانہ بات کہہ دی اس کی معافی چاہتا ہوں۔

ارشاد: بالکل معاف۔ غلط تھی تو معاف، صحیح تھی تو معاف۔ آخر آخرت میں بھی کوئی چیز اپنی نجات کے لئے ہو۔

عرض: حضرت دعا میں یاد رکھیے۔

ارشاد: یاد رکھنا تو مشکل ہے (کہ حافظہ ناظرہ دونوں کمزور۔ حافظہ کی کمزوری یہ کہ بات یاد نہیں رہتی اور ناظرہ کی کمزوری یہ کہ نظروں پر چشمہ ہے۔ ہاں دعا کر دینا آسان ہے دعا کرتا ہوں حق تعالیٰ مکارہ سے حفاظت فرمائے اتباع سنت کی توفیق دے اپنی رضا عطا فرمائے۔ (ایضاً قسط:۱۰ ص:۹۱)

مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانویؒ

دشمنانِ اسلام آپ کو گالیوں بھرے خطوط سے نوازتے مگر آپ نے کبھی بھی

اس پر ناگواری کا اظہار نہیں فرمایا بلکہ فرماتے تھے کہ عقیدت مندوں کی تعریف وتوصیف سے دل میں اگر اپنے بارے مین کچھ غلط فہمی پیدا ہوگئی تھی تو وہ بحمد اللہ اس سے صاف ہو گئی۔

حضرت کو ایک بار کسی نے بتلایا کہ ایک صاحب نے کسی بڑے آدمی سے آپ کے بارے میں سوال کیا کہ مولانا محمد یوسف لدھیانوی باقاعدہ مفتی ہیں؟ اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا کہ وہ نہ باقاعدہ مفتی ہیں نہ بے قاعدہ۔ یہ سن کر حضرت نے فرمایا ہاں بھائی وہ سچ کہتے ہیں میں نہ باقاعدہ مفتی ہوں نہ بے قاعدہ۔

(ماہنامہ سلوک واحسان کراچی)

حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب مدنی رحؒ

حضرت رحمہ اللہ تعالی کے خلیفہ مجاز مولانا ارشاد احمد صاحب زید مجدہ تحریر فرماتے ہیں:

حضرت اقدس رحمہ اللہ تعالی سخت بیمار تھے کراچی میں مخدومی جناب بزرگوارم صاحبزادہ حضرت مکی صاحب مدظلہ العالی کے مکان پر تشریف فرما تھے احقر بھی تیمارداری کے لئے حاضر ہوا اپنی جہالت بے سمجھی اور احمقوں والی محبت کے جوش میں حضرت اقدس سے عرض کیا کہ احقر یہیں رہے گا۔ خیال تھا کہ خدمت کروں گا مگر خادم بننے کی بجائے مخدوم بن گیا۔ ایک اور صاحب برادرم شوکت صاحب جو اس وقت غالباً کراچی میں ڈاکٹر ہیں وہ بھی خدمت کے لئے قیام پذیر تھے۔ حضرت کو پیشاب والی نالیاں لگی ہوئی تھیں شدید تکلیف تھی۔ ایک صاحب جلدی میں آئے کسی کام کے لئے تو ان کا پاؤں نالی سے اٹک گیا۔ حضرت اقدس رحمہ اللہ تعالی کو اتنا شدید جھٹکا آیا کہ اگر ہم جیسا کوئی شخص ہوتا تو چیخیں نکل جائیں، درد وتکلیف کی انتہاء نہ رہے۔ حضرت اقدس رحمہ اللہ تعالی کا شدید درد کی وجہ سے چہرہ سرخ تھا مگر موصوف کو بڑی شفقت سے سمجھایا کہ احتیاط کرنی چاہئے۔ حضرت اقدس رحمہ اللہ تعالی کو دبانے والے مجھ جیسے بے سمجھ یوں سمجھ رہے ہوتے کہ ہم خدمت کر رہے ہیں حضرت کو راحت پہنچ رہی ہے۔ احقر کو کچھ ایسا ہی یاد

ہے کہ حضرت نے ارشاد فرمایا آپ لوگوں کے دبانے سے تکلیف ہوتی ہے مگر دلجوئی کے لئے برداشت کر لیتا ہوں۔ اس وقت احساس ہوا کہ ہماری خدمت کی مثال وہی ہے جو حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تعالی کے مواعظ میں احمق کی خدمت کی مثال ہے۔

حضرت والا کا ہر شخص سے برتاؤ اور شفقت بھرا معاملہ ایسا تھا کہ ہر شخص یوں سمجھتا کہ حضرت والا کو مجھ سے زیادہ محبت ہے اور تقریباً ہر وعظ میں ہر شخص خصوصاً اپنے متعلق سوچتا کہ میری حالت حضرت والا کے سامنے منکشف ہوگئی میری ہی اصلاح کے لئے یہ وعظ ہو رہا ہے۔

(ماہنامہ محاسن اسلام حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب مدنی رحمہ اللہ تعالی نمبر ص:۹۹)

حضرت مولانا محمد امین صاحب صفدر اوکاڑوی رح

آپ بڑے متحمل مزاج اور انتہائی بردبار تھے۔ مخالفین بعض اوقات آپ کی ذات پر نہایت گھٹیا الزام لگاتے لیکن آپ جواب میں مسکرا کر خاموش ہو جاتے۔ مخالف مناظرین مناظرہ کے دوران بڑی اوچھی حرکتیں کرتے، خود اشتعال میں آتے اور آپ کو بھی اشتعال دلانے کی کوششیں کرتے لیکن آپ ان کے سامنے حلم و بردباری کے کوہ گران ثابت ہوتے۔ آپ ان کی تلخ سے تلخ بات کا جواب شیریں ادا اور مسکراہٹ کے ساتھ دیتے اور ہمیشہ وقار کا خیال رکھتے۔ (ماہنامہ الخیر مناظر اسلام نمبر ص:۱۱۱)

حافظ عبد الحق خان بشیر صاحب مدظلہ لکھتے ہیں:

مجھے متعدد مناظروں اور مباحثوں میں مولانا مرحوم کی رفاقت ومعیت حاصل رہی۔ وہ اپنے فریق مخالف کو غصہ اور اشتعال دلانے کی پوری صلاحیت رکھتے تھے لیکن خود غصہ اور اشتعال میں آنا ان سے بہت بعید تھا۔ میں نے انہیں کبھی بھی کسی اعتراض یا کسی سوال کے جواب پر مشتعل ہوتے نہیں دیکھا۔ سوال واعتراض کو پورے تحمل کے ساتھ سننا اور مسکرا کر اس کا مدلل ومسکت جواب دینا ان کی فطرت میں شامل تھا۔ سائل اور معترض کی ذہنی نفسیات کو اس کے الفاظ وانداز سے فوراً بھانپ لینا اور اسے اسی کے

پیش کردہ اصولوں کے مطابق جواب دینا، ان کے حسن تدبر کا ادنی کرشمہ تھا۔ کئی دفعہ ایسا اتفاق ہوا کہ معترض مولانا مرحوم کے دلائل کے سامنے بے بس ہو جانے کے بعد شخصی حملوں پر اتر آتا یا دوران تقریر غلیظ گالیوں پر مشتمل رقعہ بازی شروع کر دیتا لیکن مولانا مرحوم بڑے تحمل سے مسکرا کر فرماتے کہ مجھے گالیاں بے شک کچھ اور دے لو لیکن میرے دلائل وسوالات کا جواب دیتے جاؤ۔ ایسے بے شمار افراد ہمارے مشاہدہ میں ہیں جو صرف مولانا مرحوم کے تحمل سے متاثر ہو کر گمراہی ترک کر کے راہ راست پر آ گئے۔

(ایضاً ص: ۳۲۸)

(۱) تو گالیاں دے میں قرآن سناؤں گا

حضرت (مولانا اوکاڑوی مرحوم) فرماتے ہیں کہ نواں جنڈان والا میں مناظرہ کی تاریخ رکھی گئی لیکن شرائط طے نہ ہونے کی وجہ سے مناظرہ نہ ہو سکا۔ دوبارہ پھر ایک تاریخ رکھی گئی۔ اب مولوی احمد سعید (مماتی) نے آتے ہی اپنی مسجد میں تقریر کی اور مماتیوں کو کہا کہ یہ کہتے ہیں قرآن سنا۔ کتوں کو قرآن نہیں سنایا جاتا۔ کتے کے منہ پر چھتر اور ڈنڈا مارا جاتا ہے۔ یہاں کوئی کتا اوکاڑہ سے آ جاتا ہے اور بھونکنا شروع کر دیتا ہے کوئی کتا ملتان سے (علامہ تونسوی زید مجدہ) آ جاتا ہے، کوئی کتا لاہور سے (علامہ خالد محمود زید مجدہ) آ جاتا ہے اور آپ کہتے ہیں کہ میں ان کتوں کو قرآن سناؤں۔ کتوں کو قرآن نہیں سنایا جاتا ان کے منہ پر ڈنڈا مارا جاتا ہے۔ جب اس کی تقریر ختم ہوئی تو ہماری مسجد میں میری تقریر شروع ہوئی۔ میں نے کہا کہ مولوی احمد سعید نے مجھے گالیاں دی ہیں میں نے مولوی احمد سعید کو معاف کیا البتہ جو اس نے دوسروں کو گالیاں دی ہیں وہ ان کا معاملہ ہے ان کی مرضی معاف کریں یا نہ کریں۔ رہی بات چھتر مارنے اور ڈنڈا مارنے کی تو تم مجھے گالیاں دو گے تب بھی میں قرآن سنا کر چھوڑوں گا۔ اس کے بعد میں نے حیات النبی ﷺ پر آیات اور احادیث پیش کیں۔ چونکہ مماتی لوگ بھی کافی آئے ہوئے تھے وہ سنتے رہے۔ انہوں نے واپس جا کر کہا کہ تم نے ان کو گالیاں دی ہیں لیکن انہوں نے گالیوں کی بجائے قرآن سنایا ہے اور حدیثیں سنائی ہیں اور اپنے مولویوں کے اس رویہ پر بہت افسوس ظاہر کیا اور مولوی احمد سعید تو شرم کے مارے میری تقریر کے دوران

ہی چلا گیا تھا۔ (ایضاً ص: ۲۲۱)

(۲) گالیوں کے جواب میں حدیث

حضرت والا نے فرمایا کہ جامعہ خیر المدارس کے قریب بیری والی مسجد میں چار گھنٹے تقریر ہوئی۔ ایک طرف شیخ الحدیث مولانا محمد صدیق صاحب، دوسری طرف شیخ الحدیث مولانا فیض احمد صاحب تشریف فرما تھے۔ غیر مقلدین کی طرف سے کافی پرچیاں بھیجی گئیں جن میں مختلف سوالات تھے۔ اللہ کے فضل وکرم سے سب پرچیوں کے جواب بھی دیئے۔ پروگرام ختم ہونے کے بعد دونوں شیخ الحدیث صاحبان نے فرمایا کہ جب کوئی سوال ہوتا تو ہم سوچتے کہ اس کا جواب کیا ہوگا لیکن آپ تو آسانی سے جواب دیتے تھے چونکہ میں نے اپنی پوری تقریر میں غیر مقلدین کو کوئی گالی نہیں دی تھی اس لئے اس کے بعد غیر مقلدین نے اس کے قریب جوابی جلسہ رکھا اور اپنے خطیب کو تاکید کی کہ مولوی امین صاحب نے مدلل تقریر کی تھی پوری تقریر میں اس نے کوئی گالی نہیں دی آپ بھی بس مدلل تقریر کریں گالیاں نہ دیں لیکن وہ غیر مقلد ہی کیسا جو گالیاں نہ دے چنانچہ غیر مقلد خطیب نے سٹیج پر بیٹھتے ہی کہا کہ پہلے کتی کا ایک بچہ یہاں بیان کر گیا ہے جب اس نے دلائل کی بجائے گالیاں دینی شروع کیں تو اس کو غیر مقلدین نے سٹیج سے اتار دیا لیکن مختصر وقت میں اس نے گالیوں کی گردان پڑھ دی تھی۔ اس لئے اب میرے پاس آئے کہ آپ جواب دیں۔ پہلے تو میں نے کہا چھوڑو اس گالی گلوچ والی تقریر کا جواب دینے کی ضرورت نہیں لیکن انہوں نے اصرار کیا تو میں نے اس شرط پر پروگرام دیا کہ میں گالیاں نہیں دوں گا اور آپ کوئی غلط نعرہ نہیں لگائیں گے چنانچہ اس شرط کے ساتھ دوبارہ پروگرام طے ہوگیا۔ جب میں وہاں گیا تو وہ غیر مقلد خطیب کی گالیوں کو لے کر بیٹھ گئے۔ میں نے کہا بھائی میں نہ خود گالیاں دوں گا اور نہ اپنی موجودگی میں کسی کو گالی دینے دوں گا۔ ہاں ایک بات ہے تم خطیب صاحب کی گالیوں کے بارے میں پرچی دے دینا میں مناسب جواب دے دوں گا۔ بحمد اللہ مدلل تقریر ہوئی اور گالیوں سے پاک۔

اخیر میں جلسہ کے منتظمین نے ایک پرچی بھیج دی کہ غیر مقلد خطیب نے کتی کا بچہ وغیرہ گالیاں دی ہیں اس پر ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ میں نے کہا بھائی گالیاں مجھے پڑی

ہیں یہ میری ذات کا مسئلہ ہے۔ میں نے ان کو معاف کر دیا ہے البتہ آپ کو ایک حدیث سنا دیتا ہوں۔ نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا:

> بنی اسرائیل میں ایک حاملہ کتیا تھی اس کتیا کے مالکان کے ہاں مہمان آئے تو کتیا نے کہا میں آج رات مہمانون کی وجہ سے نہیں بھونکوں گی لیکن اس کے پیٹ میں جو بچے تھے وہ بھونکنے لگے۔ اللہ تعالی نے ان کے نبی کی طرف وحی کی کہ یہ کتیا اس امت کی مثال ہے جو تمہارے بعد آئے گی اور فقہاء وعلماء کو گالیاں دے گی۔ (مجمع الزوائد ج:۱ ص:۱۸۸)

اگر میں فقہاء کو گالیاں دیتا ہوں تو اس غیر مقلد نے مجھے گالی نہیں دی بلکہ یہ حدیث سنائی ہے کہ فقہاء کو گالیاں دینے والے کتی کے بچے ہیں اور اگر غیر مقلدین فقہاء کو گالیاں دیتے ہیں تو پھر خود فیصلہ کرلیں کہ کتی کے بچے کون ہیں؟ البتہ یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ ان کی ماں کون ہے؟ تو ملکہ وکٹوریہ کتیا ہے اور غیر مقلدین جو فقہاء کو گالیاں دیتے ہیں وہ اس کتیا کے بچے ہیں۔ یہ میں نے حدیث سنائی ہے گالی نہیں دی۔

(ایضاً ص:۲۲۳)

(۳) امین شیطان ہے اور ساری شیطانی اس کی سکھائی ہوئی ہے

مولانا قاضی ارشد الحسینی صاحب زید مجدہ لکھتے ہیں:

مناظرہ مجادلہ ہوتا ہے اور اکثر مقاتلہ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ مناظرے میں بڑے بڑے لوگ انسانیت سے گری ہوئی باتیں کر جاتے ہیں بسا اوقات گالم گلوچ تک بھی آجاتے ہیں مگر آپ ہمیشہ سلجھی ہوئی اور باوقار انسانیت والی گفتگو فرماتے۔ ایک دفعہ ایک غیر مقلد نے کہہ دیا امین شیطان ہے اور ساری شیطانی اس کی سکھائی ہوئی ہے۔ آپ ہنس پڑے فرمایا نہیں میں فقہ کو ماننے والا ہوں اور حدیث پاک میں فقہ نہ ماننے والے کو شیطان کہا گیا ہے۔ میں تو فقہ مانتا ہوں تو جو لوگ انسانیت کے شرف سے عاری ہوتے ہیں وہ تو اخلاق سے گری ہوئی گفتگو کرتے ہیں اور جس کو اللہ تعالی نے

انسانیت کے اعلی مدارج پر فائز فرمایا ہو، خوف خدا، خشیت الہی، خدمت انسانیت جن کا اوڑھنا بچھونا ہو وہ بھلا کیسے ایسی گفتگو کر سکتے ہیں جو انسانی شرف ووقار کے خلاف ہو۔

آخری مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر نے عجیب بات کہی

ظفر آدمی اس کو نہ جانئے گا وہ ہو کیسا ہی صاحب فہم وذکا

جسے عیش میں یاد خدا نہ رہی جسے طیش میں خوف خدا نہ رہا

(ایضاً ص:۲۴۵)

(۴) قوت حوصلہ

حضرت رحمہ اللہ تعالی کے خادم خاص اور بھتیجے جناب محمود عالم صفدر لکھتے ہیں:

رب ذوالجلال نے آپ کو ہمت واستقلال کی چٹان بنایا تھا۔ حلم وحوصلہ اور قوت برداشت کا وافر حصہ عطا فرمایا تھا۔ میدان مناظرہ میں مدمقابل کے شور وغوغا کا تلاطم آپ کی بلند ہمتی اور وسعت ظرفی کی چٹانون سے ٹکرا کر پاش پاش ہوتا رہا اور حضرت ہنستے مسکراتے وزنی دلائل کے ساتھ دشمن پر ایسی ضربیں لگاتے کہ اسے دم دبا کر بھاگنے یا سٹیج پر ناچنے کے سوا کوئی راستہ نظر نہ آتا۔ ایسے اوقات میں مسکرا کر جواب دینا آپ کی وسعت ظرفی کا پتہ دیتا ہے۔

کہہ رہا ہے جوش دریا سے سمندر کا یہ سکوت

جس کا جتنا ظرف ہے اتنا ہی وہ خاموش ہے

اس پر حضرت کا ہی سنایا ہوا ایک واقعہ نقل کرتا ہوں فرمایا:

ایک مرتبہ ایک مولوی صاحب میرے پاس آئے اور کہا ہمارے چک میں تین آدمی مرزائی ہو گئے ہیں۔ آپ مہربانی فرما کر جمعہ کے بعد تشریف لائیں۔ میں نے دل میں سوچا کہ اس کو جمعہ پر تقریر کروانی چاہئے تا کہ زیادہ لوگ فائدہ حاصل کریں۔ یہ جمعہ کے بعد کہہ رہا ہے خیر میں نے ہاں کر دی اور دل میں یہی سوچا کہ جمعہ سے پہلے پہنچوں گا

چنانچہ جمعہ سے پہلے میں وہاں پہنچ گیا۔ مولوی صاحب کے بارے میں پوچھا تو پتہ چلا کہ مولوی صاحب جمعہ دوسرے چک میں پڑھاتے ہیں۔ اب مجھے یہ بات سمجھ آئی کہ مولوی صاحب نے جمعہ کے بعد کی دعوت کیوں دی تھی؟ اب ساتھ بریلویوں کی مسجد تھی میں وہاں چلا گیا۔ مولوی صاحب کو سلام کیا اور بیٹھ گیا۔ میں نے مولوی صاحب سے پوچھا کہ تمہارا بیعت کا تعلق کس سے ہے؟ اس نے کہا پیر مہر علی شاہ صاحب سے۔ میں نے کہا پیر صاحب کی فلاں فلاں کتابیں تیرے پاس موجود ہیں جو مرزائیت کے خلاف لکھی گئی ہیں؟ اس نے کہا نہیں۔ میں نے کہا کہ آپ بھی عجیب مرید ہیں کہ پیر صاحب کی کتابیں بھی آپ کے پاس نہیں اب جب جانا تو لے کر آنی ہیں اور لے کر بھی دو دو عدد آنی ہیں ایک اپنے لئے اور ایک میرے لئے۔ بس اتنی سی بے تکلفی سے مولوی صاحب مانوس ہو گئے اور کہا کہ آپ جمعہ پر تقریر فرمادیں۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا کہ ساری گفتگو کا مقصد ہی میرا یہی تھا۔ میں نے ہاں کر دی چنانچہ جمعہ پر میں نے مرزائیت کے خلاف تقریر کی۔ تقریر کے دوران تو کوئی نہ بولا نماز کے بعد شور مچ گیا جو نئے مرزائی بنے تھے ان میں ایک ریٹائرڈ فوجی بھی تھا۔ میں نے انہیں سمجھانا چاہا تو فوجی مجھے کہتا ہے کہ میں تیرے جیسوں کو سو جوتے مارتا ہوں اور ایک گنتا ہوں۔ میں نے اسے کہا کہ تو پہلے سو جوتے مار لے تاکہ تیرا غصہ ٹھنڈا ہو جائے پھر تو میری بات غور سے سنے گا۔ میری اس بات کا اس پر اتنا اثر ہوا کہ وہ بالکل ٹھنڈا ہو گیا، معافی مانگی اور بیٹھ گیا۔ میں نے سمجھایا ان کے اشکالات کے جوابات دیئے تو تینوں مرزائی مسلمان ہو گئے۔

(ایضاً ص:۴۴۰)

(۵) اب ذرا میری بات کا بھی جواب دیجئے

مفتی عبدالقدیر صاحب (ٹانک) تحریر فرماتے ہیں:

آپ مخالف کے ساتھ دلائل کی زبان میں بات کرتے تھے اپنے موقف پر براہین قاطعہ کے ایسے انبار لگا دیتے کہ مقابل کو چپ سادھ لینے کے بغیر کوئی اور چارہ کار نہ ہوتا۔ حضرت اقدس رحمہ اللہ تعالیٰ مقابل پر آوازیں کسنے اور اس کو بیہودہ کلمات استعمال کرنے کے ہرگز روادار نہ تھے بلکہ آپ کی ذات پر اگر اس کی طرف سے کوئی

غیر اخلاقی حملہ ہوتا تو آپ خاموش رہتے اور جواب دینے کی زحمت گوارا نہ کرتے۔ کسی مناظرے میں ایک غیر مقلد عالم نے آپ کو تین بار شیطان کہا آخری بار آپ نے صرف اتنا فرمایا کہ اب ذرا میری بات کا بھی جواب دیجئے مگر جواب ہوتا تو دیتا۔

(ایضاً ص:۵۱۵)

حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی صاحب بلند شہریؒ

حضرت مولانا ولی اللہ صدیقی صاحب (مدینہ منورہ) زید مجدہ ان کے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں:

حلم وتواضع ایسی کہ لوگوں کو آپ سے مل کر حیرت ہوتی کہ ایسا جلیل القدر عالم فقیہِ وقت اور اس قدر سادگی، خوش مزاجی اور ظرافت آپ کا خاص وصف تھا لیکن کوئی خلاف شریعت بات سامنے آتی تو پھر آپ کے غم وغصہ کی انتہا نہ رہتی۔ اس معاملہ میں آپ کے ہاں کوئی رورعایت اور رواداری نہ تھی۔

ذاتی معاملات میں اگر کبھی آپ ناراض ہوجاتے تو فوراً اس کی تلافی فرماتے ایک بار ایک مہمان کے ساتھ میں آپ کے ہاں حاضر ہوا مجھے آپ کے معمولات کا علم نہ تھا۔ اتفاق سے وہ آپ کے آرام کا وقت تھا۔ میں نے حکم استیذان کی خلاف ورزی کی کہ دروازے پر ضرورت سے زیادہ دستک دی (کہ تین بار سے زیادہ منع ہے۔) آپ نے ملاقات پر فرمایا مولوی صاحب آپ کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ استیذان کے آداب کیا ہیں لیکن تھوڑی ہی دیر بعد آپ کی ناراضگی شفقت وعنایت میں بدل گئی حتی کہ چلتے وقت فرمانے لگے کہ تکلیف ہوئی ہو تو معاف کرنا۔ سبحان اللہ بڑوں کی بات بھی بڑی ہوتی ہے۔

(البلاغ مولانا عاشق الٰہی نمبر ص:۸۴)

مفتی اعظم حضرت مفتی رشید احمد صاحب لدھیانویؒ

اولیاء اللہ کے مکارم اخلاق میں سے ایک خلق عظیم یہ بھی ہے کہ وہ برائی کا بدلہ بھلائی سے دیتے ہیں۔ قرآن کریم واحادیث رسول اللہ ﷺ میں کئی جگہ اس خلق

کے فضائل مذکور ہیں اور اس کی بہت تاکید فرمائی گئی ہے۔ ہمارے حضرت اقدس دامت برکاتہم دتمت فیوضہم کو اللہ تعالی نے دوسرے کمالات کی طرح اس خلق میں بھی کمال عطا فرمایا ہے۔ بطور نمونہ چند مثالیں تحریر کی جاتی ہیں:

(۱) مضاربت میں خیانت کرنے پر معافی

حضرت والا سے ضلع خیر پور کے ایک شخص نے بطور مضاربت کچھ رقم لی مگر اس نے یہ رقم تجارت میں لگانے کی بجائے اپنے ذاتی مصارف میں خرچ کر ڈالی۔ پھر واپسی کے مطالبہ پر واپس بھی نہیں کر رہا تھا۔ آج کل پر ٹالتا رہا اسی طرح کئی سال گزر گئے۔

حضرت والا کے والد صاحب رحمہ اللہ تعالی کو اس معاملہ کا علم ہو گیا۔ آپ کو لین دین کے معاملات کا بہت تجربہ تھا۔ یہ مقدمہ فوجداری کا نہیں تھا اس کے باوجود آپ نے ذاتی اثر ورسوخ کی بناء پر تھانیدار کو رقم وصول کرنے پر آمادہ کر ایک اور اس شخص کو نوٹس دے کر حضرت والا کو تحریر فرمایا:

فلاں تاریخ تک یہاں پہنچ جائیں اور تھانیدار کو ساتھ لے کر رقم وصول کریں۔ حضرت والا کو سفر بہت شاق گزرتا ہے بالخصوص محض پیسہ حاصل کرنے کے لئے۔ اس کے باوجود والد صاحب رحمہ اللہ تعالی کی محنت کے پیش نظر کراچی سے خیر پور کی زحمت برداشت فرمائی۔ والد صاحب رحمہ اللہ تعالی کی خدمت میں حاضری ہوئی تو آپ نے فرمایا معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کے پاس نقد رقم موجود نہیں کچھ بھینسیں ہیں وہ لے آتے ہیں۔ حضرت اقدس دامت برکاتہم نے یہ سنتے ہی والد صاحب رحمہ اللہ تعالی سے مشورہ کئے بغیر فوراً کہہ دیا بھینسیں ان کی ضرورت کی ہیں، بچے دودھ پیتے ہوں گے۔ میں نے انہیں رقم معاف کر دی۔

حضرت کے والد صاحب رحمہ اللہ کا کمال دیکھئے کہ کتنی محنت اٹھائی اور پھر تھانیدار کی طرف سے یہ ناگواری بھی پیش نظر کہ اسے تیار کرنے کے بعد اس سے مشورہ لئے بغیر معاف کر دیا چنانچہ بعد میں تھانیدار نے یہ شکایت کی بھی مگر ان سب حالات کے باوجود آپ نے حضرت والا سے یہ نہیں فرمایا بدوں مشورہ کیوں معاف کر دیا بلکہ حضرت

والا کے اس عمل پر خوش ہوئے اور فرمایا وہ بیچارہ نوٹس کی وجہ سے پریشان ہوگا اس لئے اسے معافی کی اطلاع بہت جلد دینا چاہئے چنانچہ حضرت والا کے چھوٹے بھائی کو فوراً اطلاع کے لئے سائیکل پر بھیجا۔ دس میل کا دیہاتی سفر تھا راستہ جس میں جگہ جگہ ریت کے ٹیلے گرمی کا موسم اور تیز دھوپ مگر جذبہ رحم نے سب کچھ آسان کر دیا۔

(انوار الرشید ج:۲ ص:۱۴،۱۵)

(۲) میڈیکل اسٹور والے کے فریب کی پردہ پوشی

حضرت والا دار العلوم کراچی میں قیام کے دوران کسی دواء کی ضرورت سے لانڈھی کالونی میں ایک میڈیکل اسٹور پر تشریف لے گئے۔ ایک طالب علم بھی ساتھ تھے دوکاندار نے دواء کی قیمت تقریباً چار گنا زیادہ بتائی۔ آپ نے تعجب سے اس کی وجہ دریافت فرمائی تو اس نے کہا یہ باہر سے درآمد کردہ ہے اس لئے قیمت زیادہ ہے حالانکہ بوتل پر میڈ ان پاکستان لکھا ہوا تھا اور وہ آپ نے پڑھ بھی لیا تھا لیکن چونکہ دوکاندار نے باہر کا مال بتایا تھا اس لئے آپ نے اسے منہ مانگی رقم دے دی۔ طالب علم جو ساتھ تھے وہ آہستہ سے بولے اس پر میڈ ان پاکستان لکھا ہوا ہے۔ حضرت اقدس دامت برکاتہم نے اشارہ سے انہیں بھی خاموش کر دیا۔ پھر راستہ میں انہیں اس طرح سمجھایا:

میں آپ کے دیکھنے سے پہلے ہی سب کچھ پڑھ چکا تھا لیکن مجھے یہ خیال پیدا ہوا کہ اگر ان سے یہ کہہ دوں کہ یہ تو یہیں پاکستان کی بنی ہوئی ہے تو اس میں ایک مسلمان کی سبکی ہے اور ایک مسلمان کی عزت میرے مال سے بہت زیادہ قیمتی ہے۔ اب رہی یہ بات کہ اس طرح وہ ہمیں نادان اور بے وقوف سمجھ رہا ہوگا تو کیا حرج ہے؟ ہمارا اس میں نقصان نہیں، ہمارا مقصد تو صرف ان کی عزت بچانا تھا ہاں اگر کوئی ہماری آخرت کو نقصان پہنچانا چاہے تو ہمیں ضرور پریشانی ہوگی۔ (انوار الرشید ج:۲ ص ۱۵،۱۶)

(۳) نقصان کر دینے کے باوجود اجرت

ایک دفعہ حضرت والا نے ایک بڑھئی کو کسی کام کے لئے بلوایا لکڑی نہایت قیمتی تھی بڑھئی نے نہ صرف یہ کہ کام خراب کر دیا بلکہ ساری لکڑی بھی ضائع کر دی۔

لوگوں نے دیکھ کر کہا ایسے شخص کو اجرت دینا تو کیا اس سے تو لکڑی کی قیمت وصول کرنا چاہئے۔ حضرت اقدس دامت برکاتہم نے فرمایا نہیں میں اسے اجرت دوں گا بلکہ اس غلطی کا بڑھئی کو پتا بھی نہ چلنے دو چنانچہ آپ نے اسے پوری اجرت دے کر رخصت کر دیا۔ (انوار الرشید ج:۲ ص:۲۲)

(۴) مضارب کے بیٹے کا جھوٹا بہانہ

حضرت والا نے ایک بار مضاربت میں کچھ رقم لگائی کتنی لگائی بس یوں سمجھئے کہ جو کچھ پونجی تھی وہ سب لگادی۔ اس تجارت سے جو آمدنی ہوتی تھی بظاہر آپ کی معاش کا اسی پر انحصار تھا۔ آپ کے پاس اس کے سوا اور کچھ سرمایہ نہیں تھا جن صاحب کو کاروبار کے لئے رقم دی تھی ان کا انتقال ہو گیا۔ ان کے لڑکے نے کہا مجھے معلوم نہیں کہ والد صاحب نے کہاں کہاں کاروبار میں روپیہ لگا رکھا تھا۔

حضرت اقدس دامت برکاتہم نے ارشاد فرمایا یہ سنتے ہی فوراً میرے دل میں خیال آیا کہ انہیں معاف کردوں لیکن چونکہ میری معرفت اور لوگوں نے بھی روپیہ لگایا ہوا ہے اس لئے پہلے ان سے پوچھ لینا چاہئے کہیں میرے معاف کرنے کو یہ لوگ اپنے حق میں مضر خیال نہ کریں چنانچہ آپ کے دریافت کرنے پر انہوں نے جواب دیا ہم تو مقدمہ کریں گے۔ صرف ان کی خاطر معاف کرنے میں کچھ تاخیر ہو گئی۔ چند ہی دنوں بعد حضرت اقدس دامت برکاتہم نے اس لڑکے کو کہلا بھیجا میں نے اپنی رقم معاف کر دی۔

(ج:۲ ص۲۴، ۲۵)

(۵) شرکاء پر احسان وایثار کی عجیب مثال

مزید حیرت انگیز ایثار یہ کہ اس مذکورہ بالا تجارت میں منافع کی بہت اونچی سطح دیکھ کر دوسرے لوگوں کو بھی خواہش ہوئی اور حضرت والا کی خدمت میں یہ درخواست کی ہم بھی اس تجارت میں آپ کی معرفت کچھ رقم لگانا چاہتے ہیں۔

حضرت والا نے از راہ شفقت ان کی درخواست قبول فرمالی اور ان سے

رقوم لے کر مضارب کے حوالہ کر دیں۔ کچھ مدت کے بعد قدرت الٰہیہ سے ایسا نقصان ہوا کہ اصل سرمایہ ہی سارے کا سارا ڈوب گیا۔ (جس کی تفصیل مذکورہ واقعہ میں گزر چکی ہے) اس صورت میں شرعی اصول تو یہ ہے کہ اگر مضارب کی طرف سے مال کی حفاظت میں غفلت یا خیانت ثابت ہو جائے تو سرمایہ کا ضمان اس پر ہے ورنہ نہیں نیز اس فیصلہ اور اس پر مرتب ہونے والے مطالبات کے لئے سرمایہ کار براہ راست مضارب کی طرف رجوع کرے درمیانی واسطہ یعنی جس کی معرفت رقم لگائی اس کا اس سے کوئی سروکار نہیں۔ اس کے باوجود حضرت والا نے از راہ ترحم سرمایہ لگانے والوں میں سے کم حیثیت افراد کو ان کا سرمایہ اپنے پاس سے ادا کر دیا جس کی مقدار تقریباً بیس ہزار تھی۔ یہ ایثار و ہمدردی اس لحاظ سے اور زیادہ باعث رشک و سبق آموز ہے کہ حضرت والا کا کل سرمایہ جاتا رہا تھا اور آئندہ گھریلو مصارف کے لئے بھی آمدن کی کوئی صورت پیش نظر نہیں تھی۔

حضرت اقدس دامت برکاتہم نے ارشاد فرمایا بحمد اللہ ان حالات میں بھی میرے قلب پر بال برابر بھی پریشانی نہیں آئی۔ پھر بہت جلد اللہ تعالیٰ نے غیب سے ایسا سامان پیدا فرمایا کہ مصارف خانہ میں کسی تنگی کی نوبت نہیں آئی بلکہ پہلے سے بھی زیادہ اونچا معیار ہو گیا۔

کارساز ما بساز کار ما　　　　فکر ما در کار ما آزار ما

ہمارا کارساز ہمارے کام بنا رہا ہے۔ ہمارے کاموں میں ہماری فکر ہماری پریشانی کا باعث ہے۔

(ج:۲ ص:۲۵، ۲۷)

تمت